تذکرہ شاہ محمد غوثؒ

پیام شاہجہانپوری

ناشرین

ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل بل روڈ لاہور

نام کتاب :- تذکرہ شاہ محمد غوثؒ

مؤلفہ :- پیام شاہجہان پوری

ناشران :- ملک دین محمد اینڈ سنز۔ اشاعت منزل بل روڈ لاہور۔

طبع :- دین محمدی پریس۔ بل روڈ لاہور

طابع :- ملک محمد عارف پرنٹر

تعداد طبع اول :- ۱۰۰۰

قیمت فی کاپی :- تین روپے

تاریخ طباعت :- مئی ۱۹۶۵ء

پیش لفظ

وہ بلدۂ حسن و خوبی کہ نام جس کا لاہور ہے گذشتہ ایک ہزار سال سے اولیاء اللہ کا مسکن رہا ہے۔ جس بزرگ ہستی نے سب سے پہلے اس سرزمین کو اپنے بابرکت قدموں سے نوازا اُس کا نام نامی و اسم گرامی حضرت شیخ اسماعیل بخاریؒ تھا۔ آپ کے بعد حضرت شاہ حسین زنجانیؒ اور پھر حضرت مخدوم سید علی ہجویریؒ نے ظلمت کدۂ لاہور میں توحید کے چراغ روشن کئے۔ اس کے بعد لاہور میں بزرگان دین کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا اور یہ بارھویں صدی ہجری تک جاری رہا۔ حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلے کی آخری کڑی تھے۔ ان کے بعد اس سرزمین پر نہ باہر سے اس پائے کا کوئی بزرگ وارد ہوا اور نہ یہاں کی خاک پاک نے اس مرتبہ کی شخصیت پیدا کی۔ لیکن افسوس کہ پاکستان کے لوگ تو درکنار خود اہالیان لاہور بھی آج حضرت شاہ محمد غوثؒ کے حالاتِ زندگی اور آپ کے علمی و روحانی مرتبہ سے بے خبر ہیں۔

اسے قوم کی بدقسمتی سمجھنی چاہیے کہ ہمارے مورخوں نے اپنا سارا زورِ قلم سلاطین کی کشورکشائیوں کی داستانیں قلم بند کرنے پر صرف کر دیا۔ بابر ہندوستان

میں کب آیا؟ ابراہیم لودھی کے ساتھ اس کی جنگ کہاں برپا ہوئی؟ ہمایوں کو شیر شاہ
سوری نے کیسے شکست دی؟ اکبر اعظم نے بیرم خاں سے کس طرح پیچھا چھڑایا؟
اورنگ زیب نے گولکنڈہ اور بیجاپور کی ریاستوں کو کتنی مدت میں فتح کیا؟ یہ اور اس
قسم کے بے شمار سوالات کے جوابات آپ کو تاریخ کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں مل جائیں گے
لیکن اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہیں کہ حضرت مخدوم سید علی ہجویریؒ کی وفات کس
سنہ میں ہوئی تو آپ لاکھ سر ماریں آپ کو صحیح جواب ہرگز نہیں ملے گا۔ یہ الگ
بات ہے کہ آپ اُن کی کسی تصنیف کی اندرونی شہادتوں سے ان کا سالِ وفات
متعین کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارے
مورخوں سے ایک غلطی ہمالیہ پہاڑ کے برابر سرزد ہو گئی اور وہ یہ کہ انہوں نے
تاریخ کو بادشاہوں کی رزم آرائیوں اور درباروں کی بزم آرائیوں تک محدود کر دیا
حالانکہ تاریخ کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ تاریخ نام ہے کسی قوم کی روحانی عسکری سیاسی
تعلیمی۔ علمی۔ تہذیبی۔ لسانی اور سماجی ترقی کے عروج و زوال اور اس کے اسباب
و محرکات قلم بند کرنے کا۔ اس کوتاہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری تاریخ کے بہت سے
تہذیبی، تمدنی، تعلیمی، علمی، لسانی اور روحانی پہلو نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

ہمیں اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں قطعاً تامل نہیں کہ بادشاہوں کے
درباروں اور ان کی کشور کشائیوں کا بیان تاریخ کا جزوِ اعظم ہے۔ مورخ کا فرض ہے

کہ وہ ان کے شجاعانہ کارنامے قلمبند کرے اور ان کے رموزِ سیاست کو تفصیل
سے بیان کرے تاکہ آنے والی نسلیں اپنے اسلاف کے کارناموں سے باخبر
ہوں اور ان کی جلائی ہوئی مشعلوں کی روشنی میں اپنا راستہ تلاش کریں۔ لیکن اس
کا یہ مطلب نہیں کہ کسی قوم کی زندگی کے وہ پہلو نظر انداز کر دیئے جائیں جن
کا تہذیب و تمدن یا روحانی ارتقا سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو برصغیر کی تاریخ میں جو کردار بزرگانِ دین نے ادا
کیا وہ سلاطین کے کردار سے کہیں اونچا تھا۔ اسلام کی نشر و اشاعت کی توفیق
انہی فقراء کے حصے میں آئی جو ہر قسم کی ظاہری شان و شوکت سے محروم تھے
اور جنھوں نے ہزارہا میل کا پیدل سفر کیا، بھوک اور پیاس کی تکلیفیں برداشت
کیں اور ملک کے طول و عرض میں توحید کا پیغام پہنچایا۔ بادشاہوں نے تلواریں
چلا کر لوگوں کے جسم فتح کیئے مگر ان قدسی نفس بزرگوں نے اپنے اخلاق و کردار
کی شمشیر سے تسخیرِ قلوب کا عظیم الشان کارنامہ سر انجام دیا اور اگر یہ کہا جائے
تو مبالغہ نہ ہو گا کہ آج برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کا وجود انہیں خانقاہ نشینوں
کی مساعیٔ جمیلہ کا رہینِ منت ہے۔ اس لیئے احسان شناسی ہی کا نہیں بلکہ ان
کی علمی و روحانی اور اسلامی خدمات کا تقاضہ تھا کہ ان اولیاء اللہ کی تاریخ کو
بڑی تفصیل سے لکھا جاتا۔

افسوس صد افسوس کہ اسلام کے لیئے اپنا عیش و آرام تج دینے والے

اور آہن گداز صعوبتیں اٹھانے والے ان بزرگوں کے حالات کو محفوظ کرنے میں مورخوں نے بخل سے کام لیا اور آج کیفیت یہ ہے کہ جس بزرگ (حضرت شاہ محمد غوثؒ) کی شخصیت پر یہ کتاب سپردِ قلم کی گئی ہے اس پر عربی، فارسی انگریزی حتیٰ کہ اردو زبان میں ایک کتاب تک موجود نہیں۔ سوائے ۸۰ صفحات کے ایک چھوٹے سے رسالے کے جس کے مصنف زمانۂ حال کے ایک اہل قلم مولانا غلام دستگیر نامی ہیں۔

جن لوگوں کو تالیف و تصنیف کا تجربہ ہے وہ جانتے ہیں کہ ایسے موضوعات یا ایسی شخصیتوں پر کام کرنا کسی نہ کسی حد تک آسان ہوتا ہے جن کے متعلق کتابوں کا ذخیرہ موجود ہو لیکن جس موضوع پر سرے سے کوئی کتاب ہی نہ ہو اس پر قلم اٹھانا بہت مشکل کام ہے۔ یہ کتاب لکھتے ہوئے راقم الحروف کو بھی اسی قسم کی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ اردو، فارسی اور انگریزی کی کتب سیر و تاریخ میں حضرت شاہ محمد غوثؒ کے متعلق جو مختصر بیانات بکھرے پڑے ہیں انہیں جمع کرنا اور ایک ایک ریزہ چننا پڑا۔ اس طرح یہ کتاب تیار ہوئی جو قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے۔ میں نے پوری کوشش کی ہے کہ حضرت شاہ محمد غوثؒ کی سیرت و سوانح کے خدوخال اجاگر کرنے کے لئے ان تمام وسائل سے کام لیا جائے جو میری دسترس میں ہیں۔ میں نے حضرت موصوف کے والد گرامی، ان کی والدۂ ماجدہ، ان کے وطنِ مالوف، ان کی تعلیم و تربیت، ان کی عبادت و ریاضت، ان کی

سیر و سیاحت، ان کی سیرت و کردار، ان کی تصانیف، ان کے افکار و نظریات ان کی اولاد و ازدواج، ان کی تاریخ ولادت و وفات، ان کے مزار کی تفاصیل اور اُن بزرگوں تک کے حالات بیان کر دئے ہیں جن سے حضرت شاہ محمد غوثؒ نے علمی یا روحانی فیض حاصل کیا۔ اس سلسلے میں بعض ایسی کتابوں کا سراغ لگا جو ابھی تک زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکیں۔ میں نے کوشش کر کے ان کے ضروری حصوں کی نقول منگوائیں اور ان سے استفادہ کیا۔

میں شکر گزار ہوں اپنے دوست مکرم حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کا جنہوں نے بعض کمیاب کتابیں میرے لئے فراہم کیں اور شرافت نوشاہی صاحب سے بعض قلمی کتابوں کی نقول حاصل کر کے مجھے عنایت فرمائیں۔ اس نوازش کے لیے میں مولانا شرافت صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اسی طرح ممنون ہوں میں اپنے ایک اور کرم فرما جناب نفیس الحسینی صاحب کا جنہوں نے ایک بزرگ کے حالات کے متعلق نوٹس لکھ کر مجھے عطا فرمائے اور ایک رسالہ بھی عنایت کیا۔

اس کتاب کی تالیف کے دوران مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ محمد غوثؒ کے تصنیف کردہ "رسالہ غوثیہ" کا ایک قلمی نسخہ پشاور میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی بعض اور تصانیف کے قلمی نسخے بھی پشاور میں آپ کے اہلِ خاندان کی تحویل میں ہیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے میں نے پشاور کا سفر اختیار کیا اور

ان مخطوطات کا مطالعہ کیا جن سے استفادہ کئے بغیر یہ کتاب مکمل نہیں ہو سکتی تھی
میں ممنون ہوں اپنے کرم فرما جناب آغا سید علی سعید صاحب، لالہ عبدالرشید صاحب
اور مولانا سید محمد امیر شاہ صاحب قادری (سجادہ نشین یکہ توت پشاور) کا کہ ان
حضرات نے میرے ساتھ توقع سے زیادہ تعاون کیا۔ پشاور کے دوران قیام
میں میرے آرام کا بے حد خیال رکھا اور حضرت شاہ محمد غوثؒ کی قلمی تصانیف کے
علاوہ بعض اور نادر مخطوطات بھی مجھے دکھائے اور ان سے استفادہ کرنے کا
موقع دیا۔ علاوہ ازیں مولانا سید محمد امیر شاہ صاحب نے شیخ سر حد
حضرت سید حسن پشاوریؒ، حضرت شاہ محمد غوثؒ اور آغا تجمل حسین شاہ صاحب
کے متعلق نہایت بیش قیمت معلومات فراہم کیں۔ اگر ان حضرات کا تعاون میرے
شاملِ حال نہ ہوتا تو اس کتاب کی تکمیل میں ناقابلِ بیان دشواریاں پیش آتیں۔
اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آخر میں ایک ضروری بات عرض کر کے میں اپنی معروضات ختم کرتا ہوں
اور وہ یہ کہ میرا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ بزرگانِ دین کا وجود ملت کے لیئے
بڑی برکات کا موجب ہوتا ہے۔ لوگ اُن کی زندگی کا پاکیزہ نمونہ اور ان کے
اخلاق و کردار کے حیات افروز و ایمان پرور مظاہر دیکھ کر اپنے لیئے راہِ عمل
متعین کرتے ہیں اس لیے ہر مورخ و سیرت نگار کا فرض ہے کہ وہ ان بابرکت
ہستیوں کے عملی و علمی یا روحانی پہلوؤں پر زور دے۔ مجھے اس سے انکار

نہیں کہ اللہ تعالٰے اپنے پاک بندوں کو معجزات و کرامات بھی عطا فرماتا ہے اور ان
سے بعض خوارقِ عادات بھی ظاہر ہوتے ہیں مگر یہ مقصد نہیں ہوتے۔ بلکہ حصولِ
مقصد کا ایک ذریعہ ہوتے ہیں اس لیے صرف انہیں پہلوؤں پر زور دینا اور ان
بزرگوں کے علمی و عملی پہلو نظر انداز کر دینا گویا ان کی مساعیٔ جمیلہ کا خون کر دینا ہے یہی
وجہ ہے کہ میں نے اس کتاب میں حضرت شاہ محمد غوثؒ کی زندگی کے عملی و علمی اور
روحانی پہلو پیش کئے ہیں یا آپ کے سوانح بیان کئے ہیں کرامات کا تذکرہ ضمنی ہے
میں نے یہ طریقہ اس لیے بھی اختیار کیا ہے کہ خوارقِ عادات کے بیان میں بے حد
مبالغہ آرائی کی جاتی ہے اور بزرگانِ دین کو ان طاقتوں کو مالک قرار دیدیا جاتا ہے
جو سوائے خدا کے اور کسی کو حاصل نہیں یا پھر ایسے خلافِ عقل واقعات ان سے
منسوب کر دئیے جاتے ہیں، جن کا ضعیف الاعتقاد مریدوں کے ذہنوں میں وجود ہو
تو ہو اس دنیا میں وہ کبھی ظہور پذیر نہیں ہوئے۔ اس طرح ان کی شخصیت مضحکہ خیز
بن کر رہ جاتی ہے اور آج کل کے مادہ پرست لوگ جو ہر معاملے کو عقل اور عمل
کی کسوٹی پر پرکھتے اور ہر واقع کو سائنٹیفک انداز سے دیکھتے ہیں اس طرح ٹھوکر
کھا جاتے ہیں، لیکن جب ان کے سامنے کسی بزرگ کی زندگی کے ایسے واقعات
بیان کیئے جائیں جنہیں عقل انسانی باور کرتی ہو، جن سے ان کی زندگی حرکت و
عمل کا مجسمہ ثابت ہوتی ہو، جن سے ان کا کردار ابھرتا ہو، ان کی انسان دوستی اجاگر
ہوتی ہے، ان کے علم و فضل کا آفتاب نصف النہار پر ضوفشاں نظر آتا ہو تو یہ

مادہ پرست لوگ ان کے سامنے سرِ عقیدت خم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں پس اگر ہم اپنے اسلاف و اکابر کو مغرب زدہ یا مادہ پرست افراد سے روشناس کرانا اور اُن سے ان حضرات کی عظمت تسلیم کرانا چاہتے ہیں تو ہمیں یہی دوسرا طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔ میں پھر کہدوں کہ کرامات کا منکر خداوند تعالےٰ کی قدرتوں کا منکر ہے مگر اس قسم کی روائتوں کو قبول کرتے ہوئے بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔

پیام شاہجہانپوری
لاہور۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۶۴ء

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	حضرت سید حسنؓ پشاوری	
۱	تعلیم و تربیت	۲۲
۲	اجازتِ بیعت اور تبلیغی جد و جہد	۲۳
۳	پشاور میں تشریف آوری	۲۴
۴	سفرِ کشمیر و کابل	۲۵
۵	ایک پیش گوئی	۲۷
۶	ازواج و اولاد	۲۸
۷	عادات و خصائل	۲۹
۸	روحانی مرتبہ	۳۰
۹	وفات	۳۰
۱۰	وصیّت	۳۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	حضرت شاہ محمد غوث رح لاہوری	
۱۱	ولادت	۳۵
۱۲	تعلیم و تربیت	۳۶
۱۳	طلبِ حق	۳۶
۱۴	حصولِ خلافت	۳۷
۱۵	اجازت نامہ	۳۸
۱۶	مسلکِ قادریہ	۴۱
۱۷	شاہ محمد غوث رح کو وصیت	۴۲
	سیر و سیاحت	
۱۸	بزرگانِ دین سے ملاقات	۴۸
۱۹	ورودِ کابل	۴۹
۲۰	راولپنڈی میں ورود	۵۰
۲۱	سفرِ گجرات	۵۰
۲۲	لاہور میں تشریف آوری	۵۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۳	گجرات میں دوسری بار ورود	۵۳
۲۴	سفرِ دہلی	۵۴
۲۵	سرہند میں حاضری	۵۵
۲۶	اکبرآباد کا سفر	۵۶
۲۷	ورودِ اجمیر	۵۷
۲۸	قیامِ دہلی	۵۷
۲۹	قیامِ لاہور	۵۸
۳۰	شیخ جان محمد سہروردی سے ملاقات	۵۹
۳۱	شیخ جان محمد ثانی رح سے ملاقات	۶۰
۳۲	سید جان محمد حضوری رح سے ملاقات	۶۱
۳۳	میاں نور محمد مدقق رح سے ملاقات	۶۱
	حضرت شاہ محمد غوث رح کی تصانیف	
۳۴	اسرار التوحید	۶۷
۳۵	رسالہ اصولِ حدیث	۶۹
۳۶	شرح قصیدہ غوثیہ	۶۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۷	نمونۂ تحریر	۷۱
۳۸	شرح غوثیہ	۷۳
۳۹	ترجمۂ قرآن	۷۴
۴۰	رسالہ ذکر جہر	۷۴
۴۱	رسالۂ غوثیہ	۷۵
۴۲	تمہید کا بیان	۷۵
	افکار و نظریات	
۴۳	سالک کی تعریف	۸۳
۴۴	طریقت کی تعریف	۸۸
۴۵	سلوک	۹۰
۴۶	کلمہ طیبہ کے معنی	۹۳
۴۷	ذکرِ روح	۹۳
۴۸	حقیقت کی تعریف	۹۴
۴۹	معرفت کی تعریف	۹۶
۵۰	ذاتِ حق	۹۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۵۱	فنا و بقا	۱۰۰
۵۲	تجلیاتِ الٰہی	۱۰۱
۵۳	ذکر و فکر	۱۰۲
	سالِ ولادت و وفات کی تحقیق	
۵۴	نامیؔ صاحب کی تحقیق	۱۰۵
۵۵	حضرت شاہ محمد غوثؒ کی عمر	۱۰۶
۵۶	سنہ وفات کی تحقیق	۱۰۸
۵۷	فوقؔ مرحوم کی رائے	۱۰۹
۵۸	فدائی خاں	۱۱۰
۵۹	سالِ ولادت کی تحقیق	۱۱۳
	مزار مبارک	
۶۰	مولوی نور احمد چشتی کا بیان	۱۱۷
۶۱	فوقؔ مرحوم کا بیان	۱۲۰
۶۲	احاطۂ شاہ محمد غوثؒ کے اصحاب قبور	۱۲۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۶۳	آغا سید تجمل حسین شاہ صاحب	۱۲۵
۶۴	خان بہادر ڈپٹی برکت علی خاں	۱۲۷
۶۵	میاں فیروز الدین	۱۳۱
۶۶	سید بہادر شاہ عجائب روزگار	۱۳۳
۶۷	مولوی سلطان محمد	۱۳۴
۶۸	محمد بشیر علی خاں	۱۳۶
۶۹	خان بہادر خواجہ عبید اللہ او-بی-ای	۱۳۷
۷۰	انہدام مزار کی کوشش	۱۳۹
۷۱	مزار کی موجودہ صورت	۱۴۱
	سیرت اولاد اور شجرہ	
۷۲	سیرت	۱۴۷
۷۳	ایک کرامت	۱۴۸
۷۴	غربا نوازی	۱۵۱
۷۵	شان استغناء	۱۵۱
۷۶	درس و تبلیغ	۱۵۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۷۷	حضرت شاہ محمد غوثؒ کا مسلک	۱۵۵
۷۸	اولاد	۱۵۶
۷۹	شجرۂ ہائے نسب و طریقت	۱۵۸
۸۰	شجرۂ پدری	۱۵۸
۸۱	شجرۂ مادری	۱۵۹
۸۲	شجرۂ طریقت	۱۶۱
۸۳	شجرہ اولاد حضرت شاہ محمد غوثؒ	۱۶۴
۸۴	حضرت شاہ محمد غوثؒ کے سجادہ نشین	۱۶۶
	بزرگان فیض بخش	
۸۵	شیخ سچیار نوشہروی	۱۶۸
۸۶	حافظ عبد الغفور نقشبندیؒ	۱۷۰
۸۷	سید بھیک چشتیؒ	۱۷
۸۸	سید شاہ عصمت اللہؒ	۱۷۴
۸۹	حاجی محمد نوشاہؒ	۱۷۵
۹۰	شاہ کلیم اللہؒ	۱۷۹
۹۱	شاہ ید اللہ حسینیؒ	۱۸۱
۹۲	حضرت میاں میرؒ	۱۸۵

سجادگان شاہ محمد غوث رح

صفحه نمبر	عنوان	نمبر شمار
۱۹۵	میر سید عابد شاہ	۹۳
۱۹۷	میر سید موسیٰ شاہ	۹۴
۱۹۸	میر سید عیسیٰ شاہ	۹۵
۱۹۹	آقا سید شاہ غلام	۹۶
۲۰۱	سید آقا پیر جان	۹۷
۲۰۳	آقا سید سکندر شاہ	۹۸
۲۰۴	آقا سید سعید جان	۹۹
۲۰۶	آقا سید شریف حسین شاکر	۱۰۰
۲۰۸	سید عابد محی الدین فوزی الگیلانی	۱۰۱

حضرت سید حسن پشاوریؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت سید حسن پشاوریؒ

لاہور میں دہلی دروازے اور اکبری دروازے کے درمیان سرکلر روڈ کے کنارے ایک مزار واقع ہے۔ یہ مزار نہ تو بلند و بالا ہے، نہ وسیع و عریض ہے، نہ پُر شکوہ اور نگاہوں کو خیرہ کرنے والا ہے مگر اس میں جو بزرگ ہستی محوِ خواب ہے وہ اپنی روحانی جلالت، اپنے علم و فضل اور اپنے دینی و تبلیغی کارناموں کے لحاظ سے بڑی عظمت کی حامل ہے۔ اس بزرگ ہستی کا نام سید شاہ محمد غوث قادریؒ ہے۔

حضرت شاہ محمد غوث قادریؒ کا وطن پشاور تھا۔ مگر آپ کے جدِ امجد سید عبداللہ[1] بغداد کے رہنے والے تھے۔ وہاں کے ایک قریہ "حما" سے ترک

[1] حضرت شاہ محمد غوث کے جدامجد کے نام اور ہندوستان میں تشریف آوری کا تعین کرتے ہوئے تقریباً تمام تذکرہ نویسوں سے ایک سہو ہوگیا اور وہ یہ کہ انہوں نے آپ کے جدامجد کا نام سید محمود قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ بغداد سے ترکِ وطن کرکے (اگلے صفحہ پر)

وطن کرکے سندھ تشریف لائے اور ٹھٹھہ کے مقام پر سکونت اختیار کرلی۔ یہاں جمادی الآخر ۱۰۲۳ھ میں حضرت سید عبداللہ کے یہاں ایک فرزند پیدا ہوا جس نے سابق صوبۂ سرحد میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی۔

(بقیہ صفحہ ۲۰ کا) سندھ تشریف لائے اور ٹھٹھہ میں سکونت اختیار کرلی۔ چنانچہ لاہور کے مشہور مورخ مفتی غلام سرور "صاحب حدیقۃ الاولیا" سے بھی یہ سہو ہوا اور بعد کے تمام تذکرہ نویسوں نے یہ غلط واقعہ درج کر دیا۔ زمانۂ حال کے ایک تذکرہ نویس مولانا غلام دستگیر نامی مرحوم نے بھی اپنے رسالے میں حضرت شاہ محمد غوثؒ کے جدامجد کا نام سید محمود لکھا ہے اور ان کی بغداد سے تشریف آوری کا تذکرہ کیا ہے۔ حالانکہ یہ درست نہیں واقعہ یہ ہے کہ حضرت سید محمودؒ، حضرت شاہ محمد غوثؒ کے جد امجد نہیں، جد امجد کے والدِ گرامی تھے اور وہ کبھی سندھ تشریف نہیں لائے بلکہ بغداد میں رہے اور وہیں فوت ہوئے۔ آپ کے جدامجد کا نام سید عبداللہؒ تھا اور یہی سید عبداللہ بغداد سے ترک سکونت کرکے سندھ تشریف لائے تھے۔ ان کا مزار آج بھی ٹھٹھہ میں موجود ہے اور مرجعِ خلائق ہے۔ اس کی تصدیق حضرت شاہ محمد غوثؒ کے مندرجہ ذیل بیان سے ہوتی ہے "میرے جدِّ بزرگوار حضرت سید عبداللہ بغداد سے ملک ٹھٹھہ تشریف لائے۔ یہاں سادات کے بعض خاندان آباد تھے جن میں سے ایک خاندان کی عفیفہ سے حضرت سید عبداللہ نے نکاح فرمایا۔ اس عفیفہ کے بطن سے میرے والد (حضرت سید حسنؒ) پیدا ہوئے۔ ٹھٹھہ میں جب میرے دادا حضرت عبداللہ فوت ہو گئے تو میرے والد حضرت حسن نے بغرض حصولِ کمالات ہندوستان اور عرب کی طرف رختِ سفر باندھا

(باقی اگلے صفحے پر)

تعلیم و تربیت

اس فرزند کا نام سید حسنؒ تھا جو علاقہ "سرحد میں" سید حسن بادشاہ" کے لقب سے اور پشاور میں "میراں سرکار" کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ اس بزرگ خانوادے کے چشم و چراغ تھے جس میں بے شمار اولیاء اللہ گزرے ہیں اور جہاں شب و روز تزکیۂ نفس اور ذکرِ الٰہی کا بازار گرم رہتا تھا۔ خود آپ کے والدِ ماجد حضرت سید عبداللہؒ بہت بڑے عالم اور عابد و زاہد بزرگ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سید حسنؒ کی تربیت نہایت پاکیزہ ماحول میں ہوئی اور آپ کے والد بزرگوار نے آپ کی تعلیم اور تربیتِ اخلاق کی طرف بہ نفسِ نفیس توجہ فرمائی ایک روایت کے مطابق آپ نے ۱۶ سال کی عمر میں فقہ، حدیث، تفسیر، منطق اور فلسفے کی تعلیم مکمل کر لی۔ ابھی آپ کی عمر ۱۸ سال کی تھی کہ درس و تدریس کا فریضہ ادا کرنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے والد گرامی کے زیرِ سایہ آپ نے منازلِ سلوک و تصوف بھی طے کرنا شروع کر دیں اور رفتہ رفتہ اس میں وہ کمال حاصل کر لیا کہ اپنے

صفحہ ۲۱ کا بقیہ

اور متعدد بزرگوں سے فیض حاصل کیا اس کے بعد ملک پشاور پہنچے حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ نے (خواب میں) آپ کو حکم دیا کہ یہیں سکونت اختیار کریں (رسالہ غوثیہ فارسی (قلمی نسخہ) صفحہ ۸ تا ۱۱ ملاحظہ ہو)

(سید محی الدین عابد الفوزی الگیلانی پشاور)

[1] تذکرہ علماء و مشائخ سرحد صفحہ ۵ مولفہ مولانا سید محمد امیر شاہ قادری۔

زمانے کے قطب اور ابدال کہلائے۔ چنانچہ آپ کی تربیتِ سلوک کا ذکر کرتے ہوئے حضرت سید غلامؒ جو آپ کے پوتے تھے تحریر فرماتے ہیں:-

"تربیت از پدر مشفق خود بے حد و بے عدد یافتند و زیر سایۂ لطفِ ایشاں معرفت حاصل نمودند بہ درجۂ انتہا رسیدند"[1]

اجازتِ بیعت اور تبلیغی جد و جہد

علومِ ظاہری و باطنی سے پوری طرح بہرہ ور ہونے کے بعد حضرت سید حسنؒ کے والدِ ماجد نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور مریدوں سے بیعت لینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت سید عبداللہؒ کا انتقال ہو گیا۔ والد بزرگوار کی وفات کا آپ کے قلب پر بڑا گہرا اثر ہوا اور کچھ دنوں تک وارفتگی کی کیفیت طاری رہی۔ مگر جلد ہی آپ نے اپنے آپ کو سنبھالا اور ذکر و فکر، ریاضتِ نفس اور مراقبہ میں مصروف ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق یہ سلسلہ سات سال تک جاری رہا۔ اس کے بعد آپ نے برصغیر کے بزرگانِ دین سے ملاقات کرنے اور فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کے لیے رختِ سفر باندھا اور سندھ، پنجاب، دہلی گجرات اور کاٹھیاواڑ تک پہنچ کر اسلام کا پیغام پہنچایا۔ اس سفر میں جن اکابر اولیاء اللہ سے آپ کی ملاقات ہوئی ان میں حضرت میاں میرؒ حضرت شاہ دولہؒ اور حضرت شاہ

---

[1] رسالہ خوارق عادات (قلمی) مولفہ حضرت سید غلامؒ مملوکہ سید محی الدین عابد فوزی الگیلانی پشاور

لطیف بریؒ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔[1] اس سفر میں حضرت حسنؒ کے چھوٹے بھائی ابوالمکارم حضرت شاہ محمد فاضل خانباریؒ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ دورانِ سفر میں آپ کو کن کن بے دین اور بداخلاق لوگوں سے واسطہ پڑا، اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ خود فرماتے ہیں کہ جس علاقے میں ہم تبلیغ کے لیے گئے۔ "وہاں بغیر از کفر و بت پرستی بوئے از دین و آئین دراں سرزمین نہ بود"، یعنی اس سرزمین کا اگر کوئی دین و آئین تھا تو کفر و بت پرستی کے سوائے اور کچھ نہ تھا۔

بہر حال جن علاقوں میں کفر و بت پرستی کے سوائے اور کچھ نہ تھا۔ وہاں آپ کی مساعیٔ جمیلہ سے ہزاروں منکرینِ اسلام حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔" آپ نے جہاں بھی تبلیغ کی نہایت منظم طریقہ پر کی، مساجد بنوائیں، قرآن مجید کی تعلیم کے لیے مکتب قائم کئے اور مبلغین کی ایک جماعت تیار کی۔ صرف کاٹھیاواڑ اور گجرات کے علاقے میں آپ نے دو سو پچاس مساجد تعمیر کرائیں۔ اپنے اس مقدس مشن کو جاری رکھنے کے لیے آپ نے ان علاقوں میں خلفاء بھی مقرر فرمائے جو تبلیغی جماعتوں کے ساتھ دورے کر کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین کرتے تھے۔[2]

پشاور میں تشریف آوری

گجرات اور کاٹھیاواڑ میں تبلیغی مراکز قائم کرنے کے بعد آپ دہلی تشریف لائے

---

[1] ماہنامہ "الحسن" پشاور صفحہ ۵ بابت جولائی ۱۹۵۹ء

[2] تذکرہ علماء و مشائخ سرحد صفحہ ۵۲

اور وہاں سے لاہور۔ لاہور کے دورانِ قیام میں ایک روز آپ نے رویا دیکھی کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم پشاور جا کر قیام کرو اور وہاں رہ کر کشمیر، ہزارہ، کابل، غزنی اور ہرات تک اللہ کا پیغام پہنچاؤ۔ چنانچہ ۱۰۸۲ھ میں آپ پشاور تشریف لے گئے اور شہر سے ایک میل کے فاصلے پر سلطان پور نامی قصبے میں مقیم ہوگئے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے اپنا حجرہ تعمیر کیا پھر مسجد کی بنا ڈالی۔ جب پشاور اور اس کے مضافات کے افغان سرداروں کو معلوم ہوا کہ ایک مرد درویش شہر سے ایک میل باہر خیمہ زن ہے تو وہ آپ کو دیکھنے کے لیے آئے اور آپ کی نظر کیمیا اثر سے آپ ہی کے ہو رہے۔ اپنے عقیدتمندوں کی امداد سے آپ نے مسجد کی تعمیر مکمل کی جو آج بھی موجود ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے لنگر قائم کیا، جس سے غربا و فقراء اور مسافر دونوں وقت کھانا کھاتے تھے اس طرح پشاور آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا اور ہزاروں افغان آپ کے مرید ہو کر فسق و فجور سے تائب ہوگئے۔

سفر کشمیر و کابل

پشاور میں اپنا مرکز قائم کرنے کے بعد ۱۰۹۱ھ میں آپ کشمیر تشریف لے گئے۔ یہاں آپ نے چھ ماہ قیام کیا اور اس عرصے میں بہت سے غیر مسلموں کو دائرۂ اسلام میں داخل کرنے کے علاوہ ان بے شمار مسلمانوں کی تربیت و

اصلاح فرمائی جو نام کے مسلمان تھے۔ یہاں بھی ہزاروں افراد نے آپ کی بیعت کی اور معاصی سے تائب ہو کر پاکیزہ زندگی گذارنے لگے۔ پشاور کی طرح کشمیر میں بھی آپ نے متعدد مسجدیں تعمیر کرائیں اور سری نگر میں ایک لنگر بھی جاری کیا۔ ایک روایت کے مطابق چھ سو نفوس روزانہ آپ کے لنگر سے کھانا کھاتے تھے اور جو بہت زیادہ مفلوک الحال ہوتے تھے انہیں آپ لباس بھی عنایت فرماتے تھے[۱]۔

چھ ماہ کے بعد اپنے بھائی حضرت شاہ محمد فاضلؒ کو کشمیر میں اپنا خلیفہ مقرر کر کے آپ پشاور تشریف لے آئے۔ چند ماہ قیام کرنے کے بعد آپ ہدایت خلق کی غرض سے کابل تشریف لے گئے۔ یہاں بھی آپ کو اپنے مشن میں غیر معمولی کامیابی ہوئی۔ کابل کے علماء و فقراء نے آپ کا نہایت پرتپاک خیر مقدم کیا۔ عوام میں بھی آپ بہت مقبول ہوئے اور بہت سے افغانوں نے آپ کی بیعت کی۔ کابل کا گورنر نواب محمد امیر خاں آپ کے علم و فضل اور آپ کی روحانیت سے بے حد متاثر ہوا اور اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دیدیا۔ کابل کے دورانِ قیام میں آپ نے طالبانِ حق کو قرآن حکیم کا درس دیا، رہروانِ راہِ سلوک کی تربیت فرمائی اور سنتِ نبویؐ کو جاری کیا۔ کابل کا سفر آپ نے تین بار کیا۔

---

[۱] غوثیہ شریفہ قلمی مؤلفہ خواجہ بہاؤالدین بحوالہ المحسن "پشاور بابت ۱۰ جولائی ۱۹۵۵ء"

ایک پیش گوئی

اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہ سنت ہے کہ وہ اپنے متقی بندوں اور اولیا کی صداقت ثابت کرنے کے لیے ان پر بعض غیب کی خبریں ظاہر فرما دیتا ہے۔ اس سے جہاں اپنے پاک بندوں کی تصدیق منظور ہوتی ہے وہاں اس کا مقصد خطاکاروں کو متنبہ کرنا بھی ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت افغانستان کے عوام کی اخلاقی و عملی زندگی اچھی نہ تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت سید حسنؒ کو کشف یا رویا کے ذریعہ خبر دی کہ کابل میں ایک ہولناک وبا پھوٹنے والی ہے۔ جس میں خاندان کے خاندان اور محلے کے محلے تباہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپ نے امیر کابل نواب امیر خاں کو طلب فرما کر اسے بتایا کہ اس علاقے میں ایک خطرناک اور مہلک وبا نازل ہونے والی ہے۔ اس کے پنجے سے کسی ذی روح کو نجات نصیب نہ ہو سکے گی۔ دوسرے روز آپ نے پھر نواب موصوف کو یہ وعید سنائی اور اس سے آپ کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ امیر کابل اس علاقے سے کچھ عرصے کے لیے چلا جائے مگر نواب نے عرض کیا کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ درست ہے اور یہ نوشتہ لوحِ محفوظ ہے جو واقع ہو کر رہے گا۔

--- لیکن کیا کروں میں ملازم ہوں اور بادشاہ کی اجازت کے بغیر یہاں سے ہل بھی نہیں سکتا۔ یہ سن کر سید حسنؒ نے سامان سفر درست کیا اور پشاور واپس

تشریف لے آئے۔ چند روز کے بعد ہی کابل میں ایسی مہلک وبا پھوٹی کہ ہزاروں افراد لقمۂ اجل ہو گئے اور آخر کار نواب امیر خاں گورنر کابل بھی اسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو کر راہئ ملک عدم ہو گیا۔[۱]

ازواج و اولاد

حضرت سید حسنؒ نے جنوبی ہند، دہلی اور پنجاب کا تبلیغی سفر مکمل کرنے کے بعد جب پشاور میں قیام فرمایا تو مضافاتِ پشاور کے موضع "کوٹلہ محسن خان" کے ایک رئیس نے جو آپ کا عقیدتمند تھا اپنی بیٹی کا رشتہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت سید حسنؒ نے یہ رشتہ قبول فرمالیا۔ یہ آپ کی پہلی شادی تھی۔ اس خاتون کے بطن سے اللہ تعالےٰ نے آپ کو ایک فرزند عطا فرمایا، جس کا نام سید زین العابدین تھا۔ یہ وہی سید زین العابدین ہیں جو اپنے عہد کے بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے اور جن کا مزار ضلع ہزارہ میں حویلیاں ریلوے اسٹیشن سے ہری پور روڈ کی طرف جاتے ہوئے واقع ہے۔ آپ کی وفات ۱۱۶۹ھ[۲] میں ہوئی۔

حضرت سید حسنؒ نے دوسری شادی مضافاتِ پشاور کے موضع کنڑ کے ایک سادات خاندان میں کی۔ یہ خاتون مشہور بزرگ حضرت سید علیؒ ترمذی کی پوتی

---

[۱] حضرت سید حسن قادری کی تبلیغی جدوجہد صفحہ ۷۲ مؤلفہ حافظ عبد الحمید قادری مطبوعہ محسن پشاور۔

[۲] تذکرہ علماء و مشائخ سرحد صفحہ ۵۷۔

اور صاحب خزینۃ الاصفیاء کے بقول "عبادت و ریاضت کے اعتبار سے اپنے زمانے کی رابعہؒ تھیں"۔ ان کے بطن سے اللہ تعالےٰ نے آپ کو دو فرزند عطا فرمائے۔ ایک حضرت سید محمد غوث قادریؒ اور دوسرے حضرت سید علیؒ۔ یہ وہی خاتون ہیں جن کی قبر حضرت سید حسنؒ کے مزار کے پہلو میں واقع ہے

عادات و خصائل

حضرت سید حسن پشاوریؒ بڑے وسیع القلب اور مخیّر بزرگ تھے۔ فقراء و مساکین کی خدمت[۱] کرنا آپ کا شعار تھا۔ ان کے ساتھ اس محبت و شفقت سے پیش آتے تھے جیسے وہ آپ کے خاندان کے افراد ہوں۔ ان کے ساتھ مثل اولاد کے سلوک کرتے تھے۔ آپ کا دسترخوان بڑا وسیع تھا۔ بعض خادموں کا کام صرف کھانا تقسیم کرنا تھا۔ یہ عمل نصف شب تک جاری رہتا تھا۔ کھانے کے علاوہ نقد روپیہ اور لباس سے بھی آپ اہل حاجت کی امداد فرماتے تھے۔ خود داری اور استغنا کا یہ عالم تھا کہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنا تو کجا حکامِ شہر اور بادشاہوں سے بھی کبھی امداد کے طالب نہ ہوئے بلکہ بعض دفعہ اس قسم کی پیش کش کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔

---

[۱] رسالۂ غوثیہ مؤلفہ حضرت شاہ محمد غوثؒ فارسی قلمی صفحہ ۸۳ مملوکہ سید محی الدین عابد الغوری الگیلانی سجادہ نشین حضرت شاہ محمد غوثؒ (پشاور)۔

روحانی مرتبہ

حضرت سید حسنؒ بڑے عبادت گزار اور شب زندہ دار بزرگ تھے۔ رات کا بیشتر حصہ اذکار اور نوافل میں گذارتے۔ دن میں طلبہ کو تعلیم دیتے اور طالبانِ حق کی تربیت فرماتے۔ قلب بڑا گداز پایا تھا۔ اکثر جذب کی حالت طاری رہتی۔ کلامِ الٰہی سن کر آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔ آپ کی محفل میں بیٹھنے والے آپ کی اس حالت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے اور ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق آپ کی برکات اور توجہ سے حصہ پاتا۔ چنانچہ آپ کی تربیت اور ہم نشینی سے بہت سے لوگوں نے فیضِ روحانی پایا اور بعض بڑے بڑے مراتب تک پہنچے۔ آپ صاحبِ کشف و کرامات بھی تھے اور بعض خوارقِ عادات کا آپ سے ظہور ہوا۔

وفات

۲۱ر ذی قعد ۱۱۱۵ھ کو بمقام پشاور آپ کا انتقال ہو گیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کا مقبرہ[1] آج بھی مرجعِ خلائق ہے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے آپ کی تاریخِ وفات کہی.... جس سے سنہ وفات ۱۱۱۵ھ نکلتا ہے۔

---

[1] ہسٹری آف لاہور صفحہ ۱۶۸ مؤلفہ سید محمد لطیف

حسن، احسن یافت در خلدِ برین   چوں جنابِ سید والا حسنؒ
رحلتش شیخ حسن مطلوبؒ گو   نیز فرما فاضلِ مولا حسنؒ
۱۱۱۰ھ

وصیت

انتقال سے پہلے حضرت سید حسنؒ نے اپنے فرزندِ ارجمند حضرت شاہ محمد غوثؒ کو بطور وصیت پانچ ہدایتیں فرمائیں۔

(۱) ناداروں، مساکین اور مسافروں کی خدمت کیا کرو۔

(۲) جن لوگوں کی خدمت کرو اُن سے یا ان کے علاوہ اور کسی سے ہرگز کسی فائدے کی توقع نہ کرو۔

(۳) امراء و رؤسا کی ہم نشینی سے حتی الامکان گریز کرو اور ان سے کسی چیز کے طالب نہ ہو۔

(۴) جو کچھ اللہ تعالےٰ کی جناب سے عطا ہو اسی پر قناعت کرو۔

(۵) جو باتیں میں نے بتائی ہیں انہیں ہر وقت اپنے ذہن میں رکھو[2]

---

[1] گنجینۂ سروری صفحہ ۲۵ ۔ [2] رسالہ غوثیہ فارسی (قلمی) صفحہ ۹۳

حضرت شاہ محمد غوثؒ

(ابتدائی حالات)

حضرت شاہ محمد غوثؒ

(ابتدائی حالات)

ولادت

حضرت سید حسنؒ پشاوری کی دوسری بیوی کے سب سے بڑے فرزند حضرت شاہ محمد غوث قادری رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۸۲ھ یا ۱۰۸۵ھ میں بمقام پشاور پیدا ہوئے۔ آپ اپنے والد اور والدہ دونوں کی طرف سے نہایت صحیح النسب سید تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ سے جا ملتا ہے۔ والدِ ماجد کی طرح آپ کی والدۂ محترمہ کا خاندان بھی نہایت علم دوست اور روحانی دولت سے مالا مال تھا۔ چنانچہ آپ کے والد حضرت سید علی ترمذیؒ کے علاوہ آپ کے بھائی اور حضرت شاہ محمد غوثؒ کے ماموں حضرت سید عباسؒ اپنے عہد کے جیدِ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت متقی تھے اور علومِ باطنی میں بھی کمال رکھتے تھے۔

تعلیم و تربیت

حضرت سید شاہ محمد غوث قادریؒ نے ابجد شناسی کے بعد اپنے والد ماجد سے قرآن حکیم پڑھنا شروع کیا مگر سات سال کی عمر تک آپ کو اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی بلکہ ذہن نے کام ہی نہ کیا۔ خود آپ کا بیان ہے کہ میں ابتدا میں نہایت کُند ذہن تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے فہم کی دولت سے بہت ہی کم حصہ پایا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ کے والد سید حسنؒ نے دُعا فرمائی۔ عالمِ استغراق میں آپ نے حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ کو دیکھا جن سے انہیں بے حد عشق تھا اور ان سے استدعا کی کہ آپ اس بچے کے حال پر توجہ فرمائیے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے ذہن کی ساری کھڑکیاں کھول دی ہیں اور علوم کے تمام دروازے وا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ آپ نے بہت جلد قرآن حکیم ختم کر لیا۔ اس کے بعد عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ حتیٰ کہ مطول کو چھ ماہ کے قلیل عرصے میں مکمل طریقے سے پڑھ لیا۔ انیس سال کی عمر میں آپ تمام علومِ رسمی سے فارغ ہو گئے۔

طلبِ حق

دورانِ تعلیم ہی میں آپ کو اسرارِ باطنی حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ آپ

نے اپنے والد سے رجوع کیا اور اُن سے درخواست کی کہ مجھے علم باطنی پڑھایا جائے والد ماجد نے فرمایا کہ جب تک علومِ رسمیہ کی تکمیل نہ کر لو گے اس وقت تک اس کوچے میں آنے کی اجازت نہ ملے گی۔ مگر آپ پر طلبِ حق کا ذوق و شوق اس قدر غالب تھا کہ تعلیمی سرگرمیوں کے بعد جو وقت بچتا اُسے کسی اور شغل میں صرف کرنے کی بجائے اہل اللہ کی صحبت میں گذارتے۔ پشاور میں ایک بزرگ تھے، حافظ عبد الغفورؒ نقشبندی۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ زمانۂ طلبِ علم میں اکثر اُن کے پاس جاتے اور اُن کی مجلس میں بیٹھ کر فیض حاصل کرتے۔ انہیں حافظ عبد الغفور نقشبندی کے ایک ہم عصر شیخ یحییٰؒ بڑے پائے کے بزرگ تھے اور اٹک میں رہا کرتے تھے حضرت شاہ محمد غوثؒ اُن کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے۔ یہ بزرگ دنیاداروں سے کنارہ کش رہتے مگر غربا اور دین دار لوگوں کے حال پر بڑی توجہ فرماتے۔ رات کی چند گھڑیوں کے سوائے عبادت الٰہی اور اوراد و وظائف میں مصروف رہا کرتے تھے۔ آپ سے بہت سی کرامتیں بھی ظاہر ہوئیں۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ اس فقیر پر بہت مہربان تھے اور فقر و سلوک کے بہت سے رموز و نکات میں نے اُن سے سیکھے۔

حصولِ خلافت

علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد حضرت شاہ محمد غوثؒ نے اپنے والد حضرت

سید حسنؒ کی خدمت میں درخواست کی کہ اب مجھے سلوک کے راستے پر گامزن ہونے کی اجازت دی جائے۔ والدِ ماجد نے آپ کی درخواست قبول فرمالی اور سلسلۂ قادریہ میں بیعت لے کر کچھ اشغال و اذکار سکھائے اور خلوت میں بیٹھنے کی تاکید فرمائی۔ آپ نے اپنے والدِ گرامی کی زیرِ نگرانی چار چلے کاٹے۔ اس کے بعد ایک خالی مکان میں گوشہ نشینی اختیار کرلی اور چھ سال تک نہایت قلیل غذا پر قناعت کی یہ سارا عرصہ آپ نے ذکرِ الٰہی اور وظائف پڑھنے میں صرف کردیا۔ اس دوران میں آپ کے قلب پر عجیب عجیب کیفیات وارد ہوتیں، جن کا آپ اپنے والدِ ماجد سے تذکرہ کرتے رہتے۔ ان میں سے جن کیفیات میں صحت اور انبساط کا پہلو ہوتا آپ کے والدِ گرامی اُن کی تحسین فرماتے اور جن میں انقباض کا رنگ ہوتا ان کی وجہ بیان کر کے ذکر و فکر کی غلطیاں واضح فرما دیتے۔ چھ سال گذرنے کے بعد حضرت سید حسنؒ نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور مندرجہ ذیل اجازت نامہ بھی مرحمت کیا۔

اجازت نامہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ نَوَّرَ قُلُوْبَ الْعَارِفِیْنَ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِہٖ وَفَضَّلَ احوال السّالکین علی العالمین بِکمال فضلہ وکرمہ والصّلوٰۃ

والسّلام علی رسولہ سیّد الانبیاء محمّدٍ وّاٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین

قال الشیخ العارف القطب الرّبانی محی الدین سیّد عبدالقادرؒ الحسنی الحسینی الجیلانی الحنبلی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ۔ لمّا اوصی بہ مریدہٗ قال اوصیک بتقوی اللّٰہ وحفظِ طاعتِہ ولزومِ ظاھرِ الشرع وحفظِ حدودہٖ فانّ طریقتنا ھٰذہ مبنیّ علی سلامۃ الصدور وبشاشۃ الوجوہ وبذل الاموال وکفّ الاذیٰ والصفح عن عثراتِ الاخوانِ ونصیحۃ الاصاغرِ والاکابرِ وترک الخصومۃ فی الاصحاب وملازمۃ الایثار ومجانبۃ الانکارِ وترک صحبۃ من لیس من طبقھم والمعاونۃ فی الدین والدنیا۔ وحقیقۃ الفقر ان لا تفتقر الی من ھُوَ مثلک وحقیقۃ الغنی ان تستغنی عمّن ھُوَ مثلک ولیس التصوف مَا اُخِذَ عن القیل والقال لٰکن عن الجوع وترک الدنیا وقطع الشھوات والمستحسنات واوصیک اذا لقیتَ فقیراً اتاک ان لا تبدءہٗ بالحکم بل بالرفق فان الحکم یوحشہ والرفق یونسہٗ واوصیک ان لا تصحب الاغنیاء بالتعزز والفقراء بالتذلل وحسبک من الدنیا شیئان صحبۃ ولیٍّ .... وخدمۃ فقیر ھذہ وصیّتہ لمن معہ ولسائر الفقراءِ والمریدین کثّرھم اللّٰہ تعالیٰ وفقک اللّٰہ تعالیٰ

وایانا لسماذ کرنا وبعد فیقول العبد الفقیر الفانی سید حسن
قادری انی البست الخرقۃ الشریفۃ لافادۃ الطریقۃ القادریۃ
باذن القطب الربانی والغوث الصمد انی سید عبد القادر
الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لولدی وابنی سید محمد غوث
جعلہ اللہ بالعہد وافیاً قویاً فی دینہ وثابتاً بصفاء یقینہ
واستخرت اللہ تعالیٰ واَحبَبتُ ان اخبرہ فاخذت علیہ
العہد وانمتہ خلیفۃ علی تسلیک السالکین وتربیۃ
المریدین والفقراء والصالحین والاولیاء المعتبرین
فی الطریقۃ القادریۃ فی الارض شرقاً وغرباً وان یجلس
علی السجادۃ سالکا ارکانہا بالزھد والورع وان یلبس لمن
کان اھلا وان یلقن الذکر لما تلقن منی من غیر زیادۃ ولا
نقصان فیہ وان یتقی اللہ فی سرہ وجھرہ وان لاینسانی
من الدعاء

ترجمہ: - دراصل تمام تعریفوں کا مستحق اللہ تعالےٰ ہی ہے۔ جس
نے اپنے عارفوں کے دلوں کو اپنی معرفت کے نور سے منور کیا اور راہِ طریقت کے
طالبوں کو اپنے فضل وکرم سے تمام مخلوق پر فضیلت دی اور سلام ورحمت
ہو سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تمام اولاد واصحاب،

پر۔ حضرت شیخ العارف قطب ربانی محی الدین سید عبد القادر الحسنی الحسینی الجیلانی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنے مرید کو وصیت کی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار
کرنا اور اس کی عبادت میں مصروف رہنا، شریعت کے ظواہر کی بھی پابندی
کرنا اور حدودِ شریعت کی حفاظت کرتے رہنا، میرا مسلکِ طریقت مندرجہ ذیل
امور پر مشتمل ہے۔

مسلکِ قادریہ

اپنے سینے کو یادِ الٰہی سے معمور رکھنا۔ اپنے چہرے کو بشاش رکھنا اپنے
ہاتھوں کو نیکی میں مصروف رکھنا۔ . . . . اپنے
بھائیوں کی خطاؤں کو بخشنا اور لغزشوں کو معاف کرنا۔ چھوٹوں اور بڑوں کو
نصیحت کرتے رہنا۔ اپنے ساتھیوں سے عداوت ترک کرنا -- ایثار سے
کام لینا۔ جب نیکیاں کرنے کے مواقع آئیں تو قربانی دینا۔ ظلم وستم سے
دست کش رہنا۔ اپنے ہم مسلک وہم خیال، لوگوں کے علاوہ دوسروں کی
صحبت ترک کرنا اور دینی ودنیوی معاملات میں ایک دوسرے کی امداد و
اعانت کرنا۔

فقر کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے جیسے شخص کے آگے دست سوال نہ پھیلائے اور غنا کی حقیقت
یہ ہے کہ اپنے جیسوں سے بے نیاز ہو جائے تصوف صرف قیل وقال کا نام نہیں بلکہ سارا عمل ہے

جو مشتمل ہے ان امور پر یعنی کارو کر نفس کو پالنا، دنیائے دول سے (ممکن حد تک) قطع تعلق کرنا۔ خواہشات و شہوات کو قطع کر دینا اور دنیوی لذات سے کنارہ کشی اختیار کر لینا۔ جن چیزوں کو تیرا نفس پسند کرے، ان کی طرف سے توجہ ہٹا لینا۔

میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ جب تو کسی درویش سے ملے تو ابتداً اس پر اپنے علم کا اظہار نہ کرنا بلکہ اس کے سامنے اپنے آپ کو عجز و نیاز کا پیکر بنا کر پیش کرنا کیونکہ تحکم سے وحشت پیدا ہوتی ہے اور نرمی سے اُنس پیدا ہوتا ہے۔

اور وصیت کرتا ہوں کہ، دولتمندوں کی صحبت اختیار نہ کرنا اور نہ ان کے سامنے عاجزی کر کے فقیروں کو ذلیل کرنا۔ تیرے لیے دنیا میں یہی دو چیزیں کافی ہیں ولی کی صحبت اور فقیر کی خدمت۔ میں نے یہ وصیت اس کے لیے کی جو اس کو سننا (اور سمجھنا چاہے) اور یہ وصیت تمام فقیروں اور مریدوں کے لیے ہے جن کی تعداد میں اللہ تعالےٰ اضافہ فرمائے اور میں نے سطور بالا میں جو کچھ بیان کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

شاہ محمد غوثؒ کو وصیت

اس کے بعد یہ بندۂ حقیر و فانی سید حسن قادری کہتا ہے کہ میں نے

یہ خرقۂ خلافت اپنے بیٹے سید محمد غوثؒ کو باجازت قطب ربانی، غوث صمدانی سید عبدالقادر جیلانیؒ پہنایا تاکہ سلسلۂ قادریہ کا فیض جاری رہے اللہ تعالےٰ اسے اس فرض سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق دے۔

میں نے اللہ تعالےٰ سے اس کے بارے میں استخارہ کیا اور پھر اسے اس کے نتیجے سے مطلع کیا۔ میں نے اس سے بیعت کا عہد لیا اور اس کو اپنا خلیفہ مقرر کیا (اور ہدایت کی) کہ طالبانِ حق کو راہِ راست پر چلائے اور مریدوں، صالحوں اور اللہ تعالےٰ سے محبت رکھنے والوں کی جو اس زمین پر شرقاً غرباً آباد ہیں تربیت کرے اور اس مجاہدہ پر زہد و تقویٰ کے ساتھ سالک کی حیثیت سے متمکن ہو اور اپنے بعد یہ خرقۂ خلافت اس شخص کو دے جسے اس کا اہل پائے اور ذکر و فکر کی تلقین کرتا رہے اور یہ تلقین اس طرح کرے جس طرح کہ اس نے مجھے ذکر کرتے دیکھا اور اس تلقین میں حتی الامکان کمی یا زیادتی نہ کرے اور پوشیدہ طور پر بھی اور ظاہری طور پر بھی اللہ تعالےٰ کا تقویٰ اختیار کرے اور میرے حق میں دعائے خیر کرتا رہے۔

سیر وسیاحت

سیر و سیاحت

خرقۂ خلافت عطا فرمانے کے چھ سال بعد حضرت سید حسنؒ پشاوری انتقال فرما گئے۔ آپ کے انتقال کے بعد حضرت سید محمد غوثؒ نے رختِ سفر باندھا اور افغانستان، عرب اور ہندوستان کے طول و عرض میں گھوم پھر کر اپنے عہد کے بڑے بڑے صوفیا اور مشائخ سے ملاقات کی اس سفر سے آپ کے دو مقاصد تھے اوّل طلبِ حق اور دوم علماء اور اولیاء کے اذکار و اشغال کا مطالعہ۔ اس سفر میں آپ کابل، جلال آباد، اٹک، لنڈی کوتل، راولپنڈی، گجرات، کنجاہ، لاہور، دہلی، سرہند، ہوشیار پور، اجمیر اور آگرہ تشریف لے گئے۔ ان شہروں میں جا کر آپ نے جن بزرگوں کے مزارات پر حاضری دی ان میں حضرت نوشاہ گنج بخشؒ، حضرت سید علی ہجویریؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت میاں میرؒ، حضرت شیخ محمد اسمٰعیلؒ المعروف میاں وڈہ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت نظام الدین اولیاؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ ان اولیاء و مشائخ میں سے بعض

حضرات کے مزاروں پر آپ نے چلہ کشی بھی فرمائی۔

بزرگانِ دین سے ملاقات

اس سفر کے دوران میں حضرت شاہ محمد غوثؒ نے جن بزرگوں سے ملاقات فرمائی اور فیض حاصل کیا اُن کا تذکرہ آپ نے اپنی کتاب رسالہ غوثیہ میں کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ مضافاتِ اٹک میں ایک بزرگ تھے جن کا نام میاں نور محمدؒ تھا۔ یہ بزرگ میرے ساتھ بڑے اخلاص سے پیش آتے تھے شاہ رمانا مجذوب کے مرید تھے۔ مرشد کی توجہ سے انہیں ایسا جذبہ ملا تھا کہ جو ان کی طرف رجوع کرتا صاحبِ دل ہو جاتا۔ میاں نور محمدؒ باطنی وجاہت کے ساتھ ساتھ ظاہری لحاظ سے بھی وجاہت رکھتے تھے اور آپ کا شمار امراء میں ہوتا تھا۔ ان کی کشش مجھے متعدد بار ان کی صحبت میں لے گئی اور ہر بار کچھ نہ کچھ فیضِ باطنی حاصل ہوا۔

اٹک ہی میں ایک اور بزرگ تھے جن کا نام محمد فاضل تھا۔ ان کے کلام میں بڑی تاثیر تھی۔ صاحب جذب بزرگ تھے۔ ان سے بھی کئی بار ملاقات ہوئی ایک اور بزرگ شاہ زندہؒ سے بھی حضرت شاہ محمد غوثؒ کی صحبت رہی یہ بھی بڑے کامل درویش تھے۔ نہایت کم خوراک تھی اور گفتگو بھی کم کرتے تھے حضرت شاہ محمد غوثؒ نے ان سے دعا کی درخواست کی۔ موصوف نے آپ

کے لیے دعائے خیر فرمائی اور نہایت مہربانی و شفقت کا سلوک کیا۔

درۂ کابل

کابل کے مضافات میں ایک موضع ہے جس کا نام محمود کامہ ہے۔ وہاں ایک بزرگ اخوند محمد نعیم رہتے تھے۔ یہ صاحب باطن ہونے کے ساتھ ساتھ علومِ رسمی کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ اُن کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور دو ماہ ان کے پاس مقیم رہے۔ ان بزرگ کو حضرت شاہ محمد غوثؒ کے استاد ہونے کا بھی شرف حاصل تھا۔ ان سے آپ نے کتاب توضیح تلویح پڑھی۔ یہ بزرگ نقشبندی سلسلے میں منسلک تھے اور حضرت شاہ محمد غوثؒ کے حال پر بہت مہربانی فرماتے تھے۔

ایک بزرگ جن کا نام شاہ حسینؒ تھا اور شافعی مسلک کے پیرو تھے باہر سے پشاور تشریف لائے۔ یہ بڑی عبادت و ریاضت کرنے والے درویش تھے۔ عبادت کے بعد جو وقت بچتا تھا اوراد و اشغال میں صرف کر دیتے تھے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ ان بزرگ کی صحبت میں بھی بیٹھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان کے ذکر و فکر سے قلب پر رقت انگیز کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی۔

راولپنڈی میں ورود

راولپنڈی کے علاقہ پوٹھوہار کے ایک درویش شاہ چراغ نے بھی حضرت شاہ محمد غوثؒ کو متاثر کیا۔ یہ بزرگ سلسلۂ قادریہ سے منسلک تھے اور عرصے تک پشاور میں مقیم رہے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ کچھ دن ان کی بھی صحبت میں بیٹھے اور ان کے طریق اذکار مطالعہ کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ بھی میرے ساتھ بڑی مہربانی کا سلوک کرتے تھے اور اپنے شغل و ذکر کے طریقے مجھے بتاتے رہتے تھے۔

شہر راولپنڈی کے ایک اور درویش شاہ لطیف سے بھی حضرت شاہ محمد غوثؒ کی دو بار ملاقات ہوئی۔ یہ صاحب جذب ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ کرامت بھی تھے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بچشم خود ان کی بعض کرامتیں دیکھیں۔ ایک روز ان صاحب دل بزرگ نے حضرت شاہ محمد غوثؒ کے حال پر باطنی توجہ فرمائی اور اس کے اثرات بھی آپ کے قلب میں نمودار ہوئے مگر پھر جلد ہی زائل ہو گئے۔

سفرِ گجرات

مضافاتِ گجرات میں ایک موضع ہے نوشہرہ وہاں ایک بزرگ سے

جن کا نام شیخ پیر محمد تھا حضرت شاہ محمد غوثؒ کی ملاقات ہوئی۔ ان کے مرشد حاجی محمدؒ گلگو تھے جو خود صاحبِ جذب تھے۔ ایک باغ میں قیام رہتا تھا۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ اُن بزرگ سے بھی ملے جب آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے بعض مرید پیر داب رہے تھے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ نے بھی ان کے پیر دابنے شروع کر دیئے۔ حضرت حاجی گلگو کو کشف کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا کہ جس نے میرے پیروں کو ہاتھ لگایا ہے یہ کوئی معمولی شخص نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ یہ کون عزیز ہے۔ مجھے اس کے ہاتھوں سے ذکر الٰہی کی آواز محسوس ہوتی ہے۔ یہ کہا اور اٹھ بیٹھے۔ اس کے بعد حضرت شاہ محمد غوثؒ کی خیریت اور احوال پوچھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس مرد بزرگ نے مجھ پر بڑی مہربانی اور توجہ فرمائی۔ تین روز مجھے مہمانی کا شرف عطا فرمایا۔ کئی بار کھانا کھاتے وقت اپنے دستِ مبارک سے میرے منہ میں لقمہ دیا۔ پھر چلتے وقت اپنی ٹوپی اور چادر عطا فرمائی اور اجازت دی کہ میری طرف سے بیعت لے لیا کرو۔

اس کے بعد حضرت شاہ محمد غوثؒ لاہور سے پشاور واپس چلے گئے۔ یہاں آپ کی ملاقات ایک درویش سے ہوئی جن کا نام شیخ سرورؒ تھا۔ یہ بزرگ ہندوستان سے پشاور تشریف لے گئے تھے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ نے تلاشِ حق کے سلسلے میں ان بزرگ سے بھی رجوع فرمایا۔ انہوں نے کچھ دعائیں اور عملیات تعلیم کیئے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ فرماتے ہیں کہ لیکن خاکسار کو ان اذکار و اشغال سے

کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوا۔"

یہاں سے رخصت ہو کر حضرت شاہ محمد غوثؒ کنجاہ تشریف لے گئے جو گجرات کا ایک قصبہ ہے۔ کنجاہ میں آپ کے ایک دوست رہتے تھے جن کا نام محمد جعفرؒ تھا۔ یہ بڑے عبادت گذار اور ریاضت کرنے والے بزرگ تھے۔ صاحبِ دل صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ اہل قلم بھی تھے اور "تحفۂ کنجاہ" کے نام سے فارسی زبان میں ایک کتاب لکھی تھی، جس میں بزرگانِ کنجاہ کے حالات تحریر فرمائے تھے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ کو ان بزرگ نے بعض ریاضتیں سکھائیں۔

لاہور میں تشریف آوری

کنجاہ سے رخصت ہو کر آپ لاہور تشریف لائے اور یہاں حضرت میاں میرؒ اور حضرت علی ہجویریؒ کے مزاروں پر حاضری دی۔ اپنے قیامِ لاہور کے زمانے میں اس عہد کے تمام لاہوری بزرگوں سے ملے اور اُن کی صحبت میں بیٹھ کر بہت کچھ حاصل کیا۔

پشاور کے مضافات میں ایک قصبہ ہے جس کا نام لندی ہے یہاں ایک بزرگ مقیم تھے جو چالیس سال سے گوشۂ تنہائی میں بیٹھے تھے۔ علومِ ظاہری اور باطنی دونوں میں ان کا پایہ بڑا اونچا تھا۔ امرا سے کنارہ کش رہتے تھے اور غربا

۱؎ قلمی یادداشت از مولانا شرافت نوشاہی مولف "شریف التواریخ"

کے حال پر بڑی توجہ اور شفقت فرماتے تھے۔ ان کے پیر دہر وقت ذکر و فکر میں مصروف رہتے تھے۔ یہ بزرگ اپنے وقت کے بہت بڑے مواحد تھے حضرت شاہ محمد غوثؒ ان کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور ان کے مواعظِ حسنہ سے استفادہ کیا۔

گجرات میں دوسری بار ورود

کچھ عرصے کے بعد حضرت شاہ محمد غوثؒ کو معلوم ہوا کہ مضافاتِ گجرات میں ایک بزرگ ہیں جن کا نام میاں عصمت اللہ ہے اور حاجی گلگوؒ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ ان سے ملنے کے لیے پشاور سے گجرات آئے۔ یہ بزرگ علوم ظاہری میں دسترس رکھنے کے علاوہ سلوک کے راستے سے بھی واقف تھے۔ البتہ طریقت کے کوچے سے آشنا نہ تھے لیکن حالتِ جذب کا غلبہ ضرور رہتا تھا۔ سماع کا بھی شوق تھا اور اس حالت میں جب توجہ فرماتے تھے تو حاضرینِ مجلس کے قلوب پر براہ راست اثر ہوتا تھا اور لوگوں پر وجد و گریہ کی کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ فرماتے ہیں کہ میں بھی اُن کی مجلس میں شریک ہوا اور میرا قلب بھی گداز ہو گیا۔ دل میں درد اور رقت کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ چند روز ان بزرگ کی خدمت میں رہ کر آپ واپس چلے گئے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ اثر زائل ہو گیا۔ ایک سال کے بعد آپ

پھر گجرات کے اس قریہ میں تشریف لائے جہاں یہ بزرگ میاں عصمت اللہ صاحبؒ سکونت پذیر تھے۔ اس بار اُن کی توجہ سے پھر آپ پر جذب و درد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ لیکن جب وطن واپس تشریف لے گئے تو یہ اثر بتدریج کم ہونے لگا۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ فرماتے ہیں کہ اسی طرح بارہ سال تک میں ان بزرگ کے پاس جاتا رہا۔

سفرِ دہلی

پشاور سے آپ نے پھر دہلی کا سفر کیا اور یہاں شیخ محمد چشتیؒ سے ملاقات فرمائی۔ یہ بھی صاحبِ وجد و حال بزرگ تھے اور سلوک کی منزلوں سے پوری طرح آشنا اور علم باطنی سے کمال درجہ باخبر تھے ان کی خدمت میں رہ کر آپ نے بہت سی مفید باتیں حاصل کیں۔

دہلی میں آپ کی ملاقات اس عہد کے مشہور بزرگ حضرت شیخ کلیم اللہؒ جہاں آبادی سے ہوئی۔ یہ بڑے صاحب کمال اور عارف باللہ بزرگ تھے۔ ایک کتاب کے مصنف بھی تھے جس کا نام "لمعات" ہے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ کو ان بزرگ نے اس کتاب کا ایک نسخہ عنایت فرمایا۔ یہ کتاب اشغال واذکار کے بیانات پر مشتمل تھی۔

دہلی ہی میں ایک اور بزرگ سے حضرت شاہ محمد غوثؒ کی ملاقات ہوئی۔

اس مردِ درویش کا نام سید بھیکؒ تھا۔ یہ خاندانِ چشتیہ سے وابستہ تھے۔ ان کے کئی ہزار مرید تھے۔ عمر رسیدہ بزرگ ہونے کے باوجود ذکر و شغل میں منہمک رہتے تھے۔ ان کے مرید عموماً رات کے پچھلے پہر بیدار ہوتے اور عبادت میں مصروف ہو جاتے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ کئی روز تک ان کی خدمت میں رہے اور ان سے مسلکِ چشتیہ کے بعض طریقے سیکھے۔ چنانچہ ذکر سہ پایہ ہشت رگنی کا شغل آپ نے انہیں حضرت سید بھیکؒ سے سیکھا اور اس سے آپ کی روحانیت میں بڑی ترقی ہوئی۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ میرے ساتھ بڑے تلطف سے پیش آئے اور بڑی محبت سے مجھے رخصت کیا۔

سرہند میں حاضری

دہلی سے آپ سرہند تشریف لے گئے یہاں صبغۃ اللہؒ نامی ایک بزرگ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ یہ بزرگ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پوتے بڑے باکمال اور صاحبِ رُشد و ہدایت درُعیش تھے۔ ان کا مسلک نقشبندی تھا اور اس مسلک میں ان کے زمانے میں ان کا ہم پایہ کوئی بزرگ نہ تھا۔ ان بزرگ نے حضرت شاہ محمد غوثؒ کے حق میں دعا فرمائی۔ ان کی توجہ کا بڑا اثر ہوا، چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں کہ اس بزرگ کی صحبت نے مجھ پر بڑا اثر کیا۔

سرہند ہی میں آپ کی ملاقات میاں عبدالاحد المعروف بہ میاں گل سے
ہوئی۔ یہ بزرگ بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ سالک کو سلوک
کے تمام مراحل سے قلیل مدت میں گذار دینا آپ کا کمال تھا۔ یہ بزرگ بھی حضرت
شاہ محمد غوثؒ سے بڑی محبت سے پیش آئے اور اپنے جد بزرگوار کے مزار کے پاس
لے جاکر آپ کے حق میں دعا فرمائی۔ علاوہ ازیں راہِ سلوک کے بعض مقامات
کی تشریح فرمائی۔ ان کی صحبت و دعا اور ارشادات سے حضرت شاہ محمد غوثؒ
بہت مستفید ہوئے اور ان کی توجہ کا اثر آپ کے باطن میں ظاہر ہونے لگا۔ یہ
بزرگ مصنف بھی تھے۔ چنانچہ جب حضرت شاہ محمد غوثؒ آپ سے رخصت
ہونے لگے تو انہوں نے اپنی ایک کتاب موسوم بہ "معجزاتِ نبوی" حضرت شاہ
محمد غوثؒ کو عطا فرمائی۔ اس کے بعد آپ لاہور تشریف لائے۔

اکبر آباد کا سفر

قیام لاہور کے بعد حضرت شاہ محمد غوثؒ اکبر آباد تشریف لے گئے۔ یہاں
ایک مجذوب سے آپ نے ملاقات فرمائی۔ ان کا نام شاہ مشتاق تھا۔ یہ سکندرہ
کے مشہور بزرگ حضرت شاہ مرتضیٰؒ کے مرید تھے۔ اکثر و بیشتر فرش خاک پر لیٹے رہتے
تھے۔ روٹی کے چند ٹکڑے اور تھوڑے سے پانی پر زندگی گذارتے تھے۔ ہر وقت
استغراق اور نیم بیہوشی کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ گفتگو بھی بہت کم کرتے تھے

اور جب بات چیت کرتے تھے تو مجذوبوں کے رنگ میں۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ
فرماتے ہیں کہ میں نے ان میں کوئی باطنی کیفیت یا جذب کی کشش محسوس نہیں کی
پھر فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ مجذوبوں سے بہت کم فائدہ ہوتا ہے۔ اس
سفر میں آپ نے بکثرت بزرگوں، سالکوں، مجذوبوں اور علماء سے ملاقات کی
ہر شخص نے آپ کے ساتھ نہایت مہربانی کا سلوک کیا اور ان میں سے بیشتر
لوگوں سے کچھ نہ کچھ فائدۂ روحانی آپ کو حاصل ہوتا رہا۔ مگر آپ کو اپنے ظرف
کے مطابق نہ مل سکا۔

ورودِ اجمیر

اکبر آباد سے روانہ ہوکر آپ اجمیر تشریف لے گئے اور حضرت خواجہ
معین الدین چشتی اجمیریؒ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ یہاں آپ نے بکثرت دعائیں
فرمائیں اور مزارِ خواجہؒ پر بیٹھ کر اذکار و اشغال فرمائے چنانچہ حضرت خواجہ اجمیریؒ
نے کشفی طور پر حضرت شاہ محمد غوثؒ کی جانب توجہ کی اور اپنی عنایتوں سے
نوازا۔ یہاں سے آپ کو بڑا فیض حاصل ہوا۔

قیامِ دہلی

اجمیر سے روانہ ہوکر آپ دہلی تشریف لے گئے اور حضرت خواجہ قطب الدین

بختیار کاکیؒ کے مزار پر حاضری دی۔ یہاں آپ چند روز مقیم رہے۔ یہ سارا وقت آپ نے حضرت قطب الدینؒ کے مزار پر اذکار و اشغال میں گذارا۔ یہاں آپ کو عالم کشف میں صاحبِ مزار کی توجہ حاصل ہوئی اور اُن کی عنایت سے بہت سے اسرارِ باطنی ظاہر ہوئے۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے علاوہ دہلی کے اور بھی بہت سے بزرگوں کے مزارات پر آپ نے حاضری دی۔ اس کے بعد آپ پشاور تشریف لے گئے۔ جہاں میر سید یداللہؒ نامی ایک دکنی بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ میر یداللہؒ کے ساتھ دکن کے ایک اور درویش شیخ محمد اعظمؒ بھی پشاور آئے ہوئے تھے۔ ان دونوں بزرگوں سے حضرت شاہ محمد غوثؒ نے علمی فیض حاصل کیا اور بعض دقیق مسائل حاصل کئے۔

قیامِ لاہور

حضرت شاہ محمد غوثؒ کی تصنیف رسالہ غوثیہؒ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ پہلی بار لاہور تشریف لائے تو سب سے پہلے ایک سندھی الاصل بزرگ حضرت میاں میرؒ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ یہاں آپ نے دعا فرمائی اور کچھ دیر مزار کے پاس قیام بھی فرمایا۔ ایک روز عالمِ کشف میں حضرت میاں میرؒ آپ کے پاس تشریف لائے اور کچھ دعائیں تعلیم فرمائیں نیز ہدایت فرمائی کہ ان دعاؤں کا وِرد ترک نہ کرنا۔ حضرت میاں میرؒ کے مزار سے اُٹھ کر حضرت شاہ محمد

غوثؒ لاہور کے ایک بزرگ شیخ حامدؒ کے پاس گئے اور اُن سے سلوک اور طریقت کے متعلق استفسار کیا۔ اس روشن ضمیر بزرگ نے فرمایا کہ تمہیں جو طریقہ حضرت میاں میرؒ نے بتایا ہے وہی کافی ہے۔ یہ بزرگ حضرت علی ہجویریؒ کے مزار کے پاس فروکش تھے اور انتقال کے بعد اسی مزار کے قریب دفن کئے گئے۔

شیخ جان محمد سہروردیؒ سے ملاقات

لاہور کے دوران قیام میں حضرت شاہ محمد غوثؒ کی ملاقات ایک اور بزرگ سے ہوئی جن کا نام شیخ جانؒ محمد تھا۔ آپ حضرت شیخ محمد اسماعیلؒ المعروف بہ میاں وڈہ کے خلیفہ تھے۔ بڑے عبادت گذار اور شب زندہ دار بزرگ تھے حضرت شاہ محمد غوثؒ آپ کو اپنا ہمدرد اور دوست کے ناموں سے یاد کرتے ہیں "خزینۃ الاولیاء" میں لکھا ہے کہ آپ (شیخ جانؒ محمد) کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک شخص نے تنگیٔ رزق کی شکایت کی۔ آپ نے اسے ہدایت فرمائی کہ روزانہ سو مرتبہ کلمۂ تمجید کا ورد کیا کرو۔ اس شخص نے آپ کی ہدایت پر عمل کیا۔ ایک ہفتہ کے بعد پھر حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کیا کہ اب مجھے تنگیٔ رزق سے نجات مل گئی ہے اور میں دولتمند ہو گیا ہوں۔ یہ سن کر حضرت شیخ جانؒ محمدؒ نے فرمایا کہ جاؤ اور ایک ہفتہ تک پھر کلمہ تمجید کا ورد کرو۔ چنانچہ اس نے پھر یہی عمل دہرایا اور ایک ہفتہ کے بعد واپس آ کر عرض کیا کہ اب میرا دل مال و دولت سے

متنفر ہوگیا ہے، مجھے اپنا مرید کر لیجیے۔ اس کے بعد وہ آپ کے حلقۂ مریداں میں شامل ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول ہوگیا۔ حضرت شیخ جان محمد ۱۰۸۲ھ میں انتقال فرما گئے۔

شیخ جان محمد ثانیؒ سے ملاقات

لاہور میں جان محمدؒ نام کے ایک اور بزرگ رہتے تھے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ نے لاہور کے دوران قیام میں ان سے بھی ملاقات فرمائی اور بہت سے فیوض و برکات حاصل کیں۔ یہ بزرگ سلسلۂ سہروردیہ سے تعلق رکھتے تھے اور صاحبِ باطن ہونے کے علاوہ علومِ رسمیہ کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔ ۱۰۴۴ھ میں پیدا ہوئے۔ شیخ عبدالحمید اور شیخ تیمور سے تعلیم حاصل کی جو اپنے زمانے کے باکمال درویش ہونے کے علاوہ علم و فضل میں بھی یگانہ تھے ۱۱۳۰ھ میں انتقال ہوا۔ انتقال کے بعد اپنے محلے کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد شیخ جان محمد کے خادم خاص نے خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ میری میت یہاں سے نکال کر میرے مرشد حضرت شیخ محمد اسمٰعیلؒ (میاں وڈہ) کی قبر کے پاس دفن کر دو۔ صبح ہوتے ہی خادم نے آپ کے مریدوں سے اس خواب کا ذکر کیا۔ آخر سب کے مشورے

۱؎ خزینۃ الاولیاء صـ ۸۹

سے آپ کی قبر کھودی گئی اور جسدِ خاکی وہاں سے نکال کر حضرت میاں وڈہؒ کے مزار کے پاس دفن کر دیا گیا۔

سید جان محمد حضوریؒ سے ملاقات

اسی عہد کے ایک لاہوری بزرگ سید جان محمد حضوریؒ تھے۔ ان کے والد کا نام شاہ نورؒ اور دادا کا نام سید محمود حضوریؒ تھا۔ حضرت امام موسیٰ کاظمؒ کی اولاد میں سے تھے۔ سید جان محمد حضوریؒ نے اپنے والد سے تعلیم حاصل کی اور انہیں سے فیوض باطنی پائے۔ سلسلۂ قادریہ سے منسلک تھے۔ بڑے پائے کے عالم اور صاحب کشف بزرگ تھے۔ ۱۱۶۴ھ میں وفات پائی گڑھی شاہو میں جو لاہور کا ایک محلہ ہے دفن ہوئے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ کے ہم عصر تھے۔ قیام لاہور کے زمانے میں آپ نے ان بزرگ سے بھی ملاقات فرمائی اور فیض روحانی حاصل کیا۔

میاں نور محمد مدققؒ سے ملاقات

یہ بھی لاہور کے ایک بلند پایہ بزرگ تھے۔ بڑے صاحبِ علم و فضل، زہد و تقویٰ میں بے مثل، توکل میں بے نظیر، عبادت و ریاضت ہی ان کا سب سے بڑا شغل تھا۔ قادری مسلک کے پیرو تھے اور اس مسلک کی باریکیوں پر بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ ان کے پاس ایک مہینہ مقیم

رہے اور بہت سے باطنی فیوض ان سے حاصل کئے۔

ان بزرگانِ دین سے ملاقات کرنے کے بعد حضرت شاہ محمد غوثؒ واپس پشاور تشریف لے گئے۔ دوسری بار آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ایک مرید کامل اور ان کے پوتے حضرت صبغۃ اللہؒ سے ملنے سرہند تشریف لائے اور وہاں سے پھر لاہور میں نزولِ اجلال فرمایا۔ اس بار آپ کی ملاقات ایک نومسلم بزرگ میاں عبد النبیؒ سے ہوئی۔ یہ بزرگ سلسلۂ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا وطن ہوشیارپور کا ایک موضع شام چوراسی تھا۔ کسی کام کے سلسلے میں لاہور تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان سے ملاقات کا تاثر بیان کرتے ہوئے حضرت شاہ محمد غوثؒ فرماتے ہیں کہ یہ درویش بہت کم گو تھا اور ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتا تھا۔ میرے حال پر خاص توجہ فرمائی اور خلوت میں بھی ملاقات کا موقع عطا فرمایا۔ بعض اشغال بتائے اور ہدایت فرمائی کہ ان پر عمل پیرا رہو۔

تذکرے خاموش ہیں کہ اس کے بعد حضرت شاہ محمد غوثؒ کب لاہور تشریف لائے۔ آپ کے سفرنامے کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دورانِ سفر متعدد بار لاہور سے گذرے اور یہاں قیام بھی فرمایا۔ مگر اس شہر میں آپ کا مستقل قیام کس سنہ میں ہوا؟ تاریخ اور تذکروں سے اس سوال کا جواب نہیں مل سکا۔ البتہ یہ ثابت ہے کہ آپ مغل بادشاہ محمد شاہ[1] کے زمانے میں مستقل طور

---

[1] ہسٹری آف لاہور ص ۱۶۸ (مطبوعہ ۱۹۵۶ء / ۱۹۵۷ء)

پر لاہور میں مقیم ہو گئے تھے۔ آپ کے اہل و عیال بھی یہیں آ گئے تھے۔ لاہور ہی کے دورانِ قیام میں آپ علیل ہوئے۔ اسی علالت میں آپ کا انتقال ہوا۔ اس طرح سرزمین لاہور کو آپ کی ابدی آرام گاہ بننے کا شرف حاصل ہو گیا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ بھی لاہور میں فوت ہوئیں اور آپ کے پہلو میں مدفون ہیں۔

حضرت شاہ محمد غوثؒ کی تصنیف

حضرت شاہ محمد غوثؒ کی تصانیف

حضرت شاہ محمد غوثؒ درویشِ روشن ضمیر، جید عالم، بلند پایہ محدث اور صاحبِ رشد و ہدایت ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ پائے کے صاحبِ قلم بھی تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد چار سوتک[1] بیان کی جاتی ہے۔ ممکن ہے اس میں کچھ مبالغہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ آپ کثیر التصانیف بزرگ تھے اور آپ نے مختلف النوع علوم پر نہایت بسیط اور پُر مغز کتابیں سپرد قلم فرمائیں مگر افسوس کہ ناقدریٔ زمانہ کے ہاتھوں ان میں سے چند کے سوائے باقی ساری کتابیں ناپید ہوگئیں۔ ذیل میں آپ کی بعض کتابوں کا مختصر تعارف کرایا جاتا ہے۔

اسرار التوحید

یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اس کا موضوع توحید باری تعالےٰ ہے

---

[1] تذکرہ علماء و مشائخ سرحد صـ ۸۷

یہ ابھی تک قلمی صورت میں ہے اور کلکتہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کے متعلق حضرت شاہ محمد غوثؒ اپنی تصنیف رسالۂ غوثیہ میں لکھتے ہیں کہ میں جن دنوں ابن عربی کی کتاب "فصوص الحکم" کا مطالعہ کر رہا تھا تو دو مقامات ایسے آئے جنہیں سمجھنے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ ایک تو وجہ مطلق کا مسئلہ اور دوسرا خاتم الاولیاء کا مسئلہ۔ اسی غور و فکر میں تھا کہ ایک روز رات کو شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور شیخ صدر الدینؒ خواب میں تشریف لائے۔ ان بزرگوں نے یہ دونوں مسائل مجھے اس طرح سمجھائے کہ جب میں بیدار ہوا تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ان مسائل میں کوئی پیچیدگی تھی ہی نہیں۔ اس کے بعد سے یہ کیفیت ہو گئی ہے کہ جب کوئی علمی مشکل پیش آتی ہے تو ذرا سی دیر میں حل ہو جاتی ہے اور اگر کوئی شخص ان مسائل میں مختلف اشکال پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو مجھے اس کی نیت کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس شبہ کی بناء پر ایسا کر رہا ہے اور اس کی وجہ اس کی نادانی ہے۔ اس قسم کے تمام شبہات کے جوابات فوراً ذہن میں مستحضر ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے اس موضوع پر کئی رسالے سپرد قلم کئے جن میں سے ایک کا نام "اسرار التوحید" ہے اور دوسرا فارسی زبان میں ہے۔ اس میں ایسے حقائق بیان کئے گئے ہیں جن کا تعلق خالص وجدان سے ہے۔ اس کے علاوہ میں نے ایک اور رسالہ بھی لکھا ہے جس میں منزل طریقت کے طریقے درج کئے ہیں[1]

---

[1] رسالہ غوثیہ صفحہ ۱۰۶ (قلمی)

رسالہ اصولِ حدیث

یہ رسالہ بھی عربی زبان میں ہے اور راقم الحروف نے اس کا قلمی نسخہ پشاور میں آغا شریف حسین صاحب مرحوم سابق سجادہ نشین حضرت شاہ محمد غوثؒ کے کتب خانے میں دیکھا تھا۔ یہ مختصر سا رسالہ ہے اور اس میں حدیث کی اقسام اور ان کی صحت کے اصول بڑے دل نشین انداز سے بیان کئے گئے ہیں۔ اس رسالے کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ محمد غوثؒ کو علم حدیث پر کتنا عبور حاصل تھا۔ (بعد میں معلوم ہوا کہ یہ رسالہ پشاور کے مشہور اہل علم بزرگ مولانا سید محمد امیر شاہ صاحب قادری نے شایع کر دیا ہے اور دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہے)

شرح قصیدۂ غوثیہ

یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے۔ اس میں حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ کے مشہور عربی قصیدے کی شرح بیان کی گئی ہے۔ اس رسالے کے آغاز میں آپ فرماتے ہیں:۔

"حمد و ثنا بے عدد آں خدائے را سزد کہ او را دوام و بقا است و ماسوائش در معرض زوال و فنا است و درود نامحدود

براں سید صاحب مقامِ محمود کہ فخرِ عالم و آدم است و بر آل و اصحاب او باد صلی اللہ تعالےٰ علیہ و علیٰ آلہٖ و اصحابہ وسلم۔ اما بعد می گوید بندۂ گنہگار از رحمت پروردگار۔ امیدوار پُر از عیب و لوث محمد غوث بن سید حسن قادری کہ چوں قصیدۂ مبارک خمریہ کہ منسوب بجناب عالی حضرت غوث اعظم و قطب افخم حضرت شیخ عبد القادر الحسنی الحسینی الجیلانی است و بعض الفاظِ او غیر ظاہرۃ المعنی بود بخاطر ایں حقیر رسید کہ چوں عاصی از کمترین خادمانِ ایں جناب است موافق حوصلہ خود چیزے بیان معنی آں الفاظ نماید کہ خوانندہ را بافہم معنی ذوق دست دہد ہر چند طبیعت درِ مطالب و معانی عالی آں کہ بایں حقیر بے بضاعت دست اما شرط طلب آست کہ از نارسائی مطلوب دست از طلب باز ندارد لہذا چیزے نوشتہ از جناب عالی امید چناں می دارم کہ ایں بضاعت مزجات مقبول گردد و خوانندہ و بینندہ در حق ایں عاصی دعائے بکند و اللہ الموفق علا تمام۔"

حضرت شاہ محمد غوثؒ کی اس تمہید سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس کتاب میں حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ کے قصیدے کے بعض ادق الفاظ کی تشریح کی ہے ایسے الفاظ جو اپنے اندر معنی کا ایک سمندر رکھتے ہیں لیکن عوام

تو عوام بڑے بڑے اہلِ علم ان سے ناواقف ہیں اور ان پر غور کرتے ہوئے ان کی فکری صلاحیتیں جواب دے جاتی ہیں۔ ان الفاظ کی حضرت شاہ محمد غوثؒ نے اس خوش اسلوبی سے تشریح کی ہے کہ معمولی لیاقت کا انسان بھی ان کی ماہیت سے واقف ہو جاتا ہے۔ ان کا اندازِ بیان بڑا دلنشیں ہے اور امثال کے ذریعے وہ اپنی تشریح کو موثر بناتے اور قاری کے دل میں اتارتے چلے جاتے ہیں۔ "شرح قصیدہ خمریہ" کے مطالعے سے اس حقیقت کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ حضرت شاہ غوثؒ اپنے زمانے کے بہت بڑے نحوی اور قواعد (گرامر) کی تمام باریکیوں سے آگاہ تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ صوفیا اور تصوف کی اصطلاحات کا جتنا علم انہیں تھا وہ بہت کم لوگوں کو حاصل ہو سکا۔ یہاں نمونے کے طور پر "شرح قصیدہ خمریہ" کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے تاکہ قارئین کو حضرت شاہ محمد غوثؒ کی فارسی طرزِ تحریر سے آگاہی حاصل ہو سکے اور ہمارے اس دعوے کی بھی تائید ہو جائے کہ آپؒ صرف و نحو پر بڑی وسیع نظر رکھتے تھے۔

نمونۂ تحریر

چنانچہ سَقَانِی الحُبُّ کاساتِ الوِصالِی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"یعنی نوشانید مرا محبت کاسہائے وصال لفظ حب فاعل سقانی

وکاسات مفعول وکاسات جمع کاسہ بمعنی پیالہ است وآوردن
کاسہ ہا اشارت بآنست کہ در محبت بیک پیالہ اکتفانمی شود وکاسہ
ہائے بسیار خواہد چنانچہ از بزرگے است شربت الحبّ کاساً
بعد کاسٍ فمانفِدَ الشراب ولا رویتُ کاسہ وصال
عبارت از کاسہ شراب است کہ از عالم قدس حاصل مے شود
از دو وصال و مراد از کاسہ ہائے دریں جا مرتبہ ہائے ولایت
است کہ ولایت را مراتب بسیار است چنانچہ کاسہ مشتمل است
بر شراب ہمچنیں ولایت مشتمل است بر مرتبہ ہائے وصال و عشق
چوں اکتفا بیک مرتبہ نمیکند و میخواہد کہ ہمہ مراتب حاصل گردد
مراد آنست کہ رسایند مرا عشق بمراتب ولایت کہ مشتمل است
بر مرتبہ وصل و معنی حقیقی ایں مصرعہ آنست کہ مراد از عشق در
اصطلاح صوفیہ ذاتِ او سبحانہ وتعالیٰ است زیرا کہ مبدء عشق
اوست چنانچہ صوفیہ گویند وھو المحب والیہ الحبُّ فمنہٗ
ظھر ماظھر۔ ہرچند عشق بمعنی افراطِ محبت است و در
آنجناب ہر قدر حب کہ زیادہ باشد آنرا افراط نگویند لہٰذا اطلاق
عشق بر حبِ الٰہی نمیکنند۔ اما چوں در اصطلاحِ اہلِ اللہ محبتِ
الٰہی کہ بدرجۂ کمال رسد آنرا عشق گویند وقتیکہ ماسوائے محبوب

چیزے در خاطر محب نماند و اطلاق ایں معنی بر اللہ تعالیٰ
مضائقہ ندارد و مراد از وصال نہ مثل وصال انسان است
بانسان دیگر کہ ہر دو ملاقی شوند بلکہ وصالِ حق عبارت ازاں است
کہ تجلی شود بر او ذات وصفات حق و مضمحل و محو گردد ذات وصفات
بندہ در و چنانچہ نماند اثرے از وے حاصل شود او را قرب فرائض
و نوافل و مقام قابَ قوسین کہ عبارت از مرتبہ جمع بین القربین است
و در قرب فرائض فنائے ذات حاصل شود و در قرب نوافل فنائے
صفات یعنی پس برسایند مرا ذاتِ احدیت بمراتب ولایتؒ
غرض اسی طرح حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سید
عبدالقادر جیلانیؒ کے ایک ایک مصرعہ کو لے کر اس کی تشریح کی ہے۔ مشکل یا
کئی معنی کے حامل الفاظ کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت فرمائی ہے معنی کے
بیان اور مفہوم کی تشریح میں آپ نے معارف کے دریا بہا دیے ہیں۔ ہمارے
خیال میں حضرت شاہ محمد غوثؒ کے صرف اس ایک رسالے کے مطالعے سے
آپ کے روحانی اور علمی مرتبہ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

شرح غوثیہ

یہ بخاری کی شرح ہے اور حضرت شاہ محمد غوثؒ کی وہ نادر و نایاب کتاب ہے

۱؎ شرح قصیدہ خمریہ غوثیہ ص ۱۱-۱۵

جو آپ نے سنہ ۱۳۱۱ھ میں تصنیف فرمائی تھی۔ اس میں بخاری کے صرف تین پاروں کی شرح کی گئی ہے۔ اس کی ضخامت ایک ہزار صفحات ہے۔ اس کا ایک نسخہ پشاور یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ یہ شرح غوثیہ صرف بخاری کی شرح ہی نہیں ہے بلکہ یہ علم حدیث پر ایک بسیط اور نہایت معلومات افزا کتاب ہے جو طلبائے حدیث کے علاوہ علمائے حدیث کے لیے بھی رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں علم حدیث کی تمام شاخوں کا سیر حاصل بیان ہے اور اسماء الرجال کے اس حصے پر بھی کماحقہ روشنی ڈالی گئی ہے جو بخاری کے راویانِ حدیث سے تعلق رکھتا ہے۔

ترجمۂ قرآن

آپ نے قرآن حکیم کا فارسی زبان میں ترجمہ بھی کیا تھا اور اس پر نہایت مفید اور دلنشیں حواشی بھی تحریر فرمائے تھے۔ مگر افسوس کہ کسی نے ابھی تک اس کی اشاعت کی طرف توجہ نہیں کی۔ آپ کے ترجمہ کردہ قرآن حکیم کا یہ قلمی نسخہ مولوی نور محمد صاحب سرحدی کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے۔

رسالہ ذکرِ جہر

حضرت شاہ محمد غوثؒ کا یہ رسالہ بھی قلمی ہے اور عربی زبان میں لکھا گیا

تھا۔ یہ آپ نے ذکرِ جہر کی تائید میں سپردِ قلم کیا ہے اور قرآنِ حکیم، احادیثِ نبویہ، فقہ اور بزرگانِ دین کے تصانیف سے ثابت کیا ہے کہ بلند آواز سے ذکرِ الٰہی کرنا درست ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے بڑے لطیف نکات بیان کیے ہیں۔

رسالہ غوثیہ

حضرت شاہ محمد غوث کی پانچویں تصنیف کا نام "رسالہ غوثیہ" ہے۔ یہ فارسی زبان کا ایک مختصر سا رسالہ ہے جس کی چھ فصلیں ہیں۔ ابتدا میں ایک مختصر سی تمہید ہے جس میں آپ نے اس رسالے کا سببِ تصنیف بیان کرنے کے علاوہ اس کے مندرجات کا اجمالی خاکہ بھی بیان کیا ہے۔ تمہید میں آپ لکھتے ہیں کہ :۔

تمہید کا بیان

بے حد حمد اور بے شمار تعریف اس واجب الوجود کے لیے سزاوار ہے جس نے تمام اشیاء کو وجود عطا کیا بلکہ یوں سمجھو کہ اپنی ذات کو جلوہ نما کیا۔ درحقیقت ہر چیز میں اسی کے صفاتی جلوے نظر آتے ہیں اور بے نہایت درود اس اشرف المخلوقات، خلاصۂ موجودات کی ذاتِ پاک پر کہ تمام دنیا اسی بہت بڑے مظہرِ الٰہی کا پرتو ہے اور اس کی آل و اصحاب پر جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچنے کا ذریعہ اور واسطہ ہیں۔ صلی اللہ علیہ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

اس کے بعد خاکسار محمد غوث بن سید حسن قادری اہلِ طریقت کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس عاجز نے اپنے والد ماجد اور بعض دیگر بزرگوں سے جب اس راستے یعنی راہِ طریقت کے متعلق مستفید ہونے کا ارادہ کیا اور اپنی لیاقت اور نصیب کے مطابق ان سے حاصل بھی ہو گیا تو دل میں خیال پیدا ہوا کہ سلوک کی ابتدائی باتوں اور ان کے حقائق کو قلمبند کر دوں۔ شاید کہ پڑھنے والا اس سے فائدہ اٹھا کر بندہ کے حق میں دعائے خیر کرے۔

ہر چند کہ اس مضمون کے بیان سے کوئی خاص فائدہ ملحوظ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر ایک سالک اپنی اپنی سمجھ اور لیاقت کے مطابق اس مطلوب کی نسبت الگ الگ نشان بتاتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس کی کنہ کا پتہ آج تک کسی کو لگا ہے اور نہ لگ سکتا ہے۔ چنانچہ حافظِ شیرازی فرماتے ہیں۔ ؎

در رہِ عشق نہ شد کس بہ یقین محرمِ راز ہر کسے بر حسبِ فہم گمانے دارد

لیکن چونکہ انسانی صفات خدائی صفتوں کے ظل اور آثار ہیں اور در حقیقت بندہ کی نہ کوئی ذات ہے اور نہ صفت۔ مولوی نظامی رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں ؎

نیاوردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

جو کچھ ہے اسی کا ہے پس اس امر کے اظہار کا ارادہ بھی اسی طرف سے سمجھو اسی بنا پر مجھے اس بیان کی طرف متوجہ ہونا پڑا ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست مے برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

واضح ہو کہ مبتدی کے لیے دو چیزیں لازمی ہیں۔ ایک تو ذکر دوام (ہر وقت اسی کی دھن میں رہنا) دوسرا فکر دوام۔ ذکر سے شوق و محبت پیدا ہوتی ہے اور فکر سے فنا (ہر قسم کے علائق ماسوائے اللہ کو توڑ کر اسی کا ہو رہنا) اور معرفت۔ ذکر کی پھر کئی قسمیں ہیں۔ جو کچھ بھی مرشد کامل فرمائے اس کی بدل تعمیل واجب ہے۔ اس سے ضرور فائدہ ہوتا ہے۔ جب سالک کے قلب پر ذکر جاری ہو جاتا ہے تو بند، بند رگ رگ بلکہ اس کے وجود کا ذرہ ذرہ ذاکر بن جاتا ہے اور یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ اعضا اور عروق کا ذکر مسموع اور محسوس ہونے لگتا ہے۔ بلکہ دنیا کی تمام دیگر اشیاء اور ذراتِ عالم کے ذکر کو سن سکتا ہے۔ اس سے اس کو بڑا ہی حظ اور لطف حاصل ہوتا ہے اور تجلیات انوارِ الٰہی اس کو نظر آتے ہیں بلکہ اس پر نازل ہوتے ہیں اور خدا کے سوا ہر قسم کے تعلقات سے آزاد ہو جاتا ہے اس کو ہر وقت اسی کی لو لگی رہتی ہے۔

فکر وہ ہے کہ اس کی قوت متخیلہ ہر وقت ذاتِ باری کی طرف متوجہ رہے غیر اللہ سے مطلق خالی رہے اور ہر وقت اسی کے خیال میں مستغرق رہے ہر دم ہر آن اسی کا دھیان رہے، یہاں تک کہ اپنے معمولی دنیاوی کاموں میں بھی مشغول ہو تو اس طرح کہ دل بیار و دست بکار۔ غرض یہ کہ اس کی باطنی نسبت میں ذرا بھی خلل واقع نہ ہونے پائے لیکن فرصت کے وقت یہ باطنی نسبت اس قدر

غالب رہنی چاہیے کہ نہ صرف خود بلکہ دنیا و مافیہا کے خیالات کو صفحۂ دل سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دے۔ دیگر معاملات میں مصروفیت کے وقت اگر باطنی نسبت غالب نہ رہے تو دور بھی نہ ہو جائے۔ اکابر علما کی توحید یہی ہے کہ دل ماسوائے اللہ سے خالی ہو چنانچہ فرماتے ہیں ؎

توحید بعرفِ صوفیۂ صاحب میر　تخلیصِ دل از توجہ اوست بغیر

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سالک کو شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت میں سے ہر ایک پر عمل لازمی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو جدا جدا فصلوں میں بیان کیا گیا ہے[1]۔"

اس کے بعد فصل اول شروع ہوتی ہے جس میں نماز اور اس کے متعلقات کا بیان ہے۔ اسی فصل میں نمازِ تہجد کے عنوان سے ایک باب باندھا گیا ہے۔ اس باب میں ذکر و اشغال کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ دوسری فصل میں ان مراقبات کا ذکر ہے جو ذکر کے بعد کئے جاتے ہیں تیسری فصل حقیقت اور چوتھی معرفت کے بیان میں ہے۔ پانچویں فصل ظہور حق کے بیان میں ہے۔ چھٹی فصل میں حضرت شاہ محمد غوثؒ نے اپنی زندگی کے حالات پر روشنی ڈالی ہے۔

یہ رسالہ جو فارسی زبان میں ہے ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ البتہ اس کا اردو ترجمہ "اللہ والے کی قومی دوکان" کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ مترجم صاحب

[1] اسرار الطریقت معروف ترجمہ رسالہ غوثیہ ص ۱۳-۱۶ شائع کردہ "اللہ والے کی قومی دکان کشمیری بازار لاہور"

نے اس نسخے میں ایک فصل کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے اور اس طرح چھ کی بجائے سات فصلیں قائم کر دی ہیں۔ یہ اضافہ شدہ فصل دراصل شیخ محمد غوثؒ گوالیاری کے رسالہ "کتابِ غوثیہ" کا ترجمہ ہے۔

حضرت شاہ محمد غوثؒ کی یہ تصنیف جس کا نام "رسالہ غوثیہ" ہے تصوف کے موضوع پر نہایت عمدہ کتاب ہے۔ اس کے مطالعے سے آپ کے تبحرِ علمی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس میں آپ نے اللہ تعالیٰ کی صفات اس کے پانے کا طریقہ، عبادات، ذکرِ الٰہی، عرفانِ الٰہی۔ منزلِ سلوک، صفائے قلب، صوفیہ کے مختلف طریقوں کا فرق اور رالالہ کی تعریف نہایت دلنشیں انداز سے بیان فرمائی ہے اور بلاشبہ اس کے مطالعے کے بعد انسان کو بہت کچھ حاصل ہوتا ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم اس کتاب کے فارسی نسخے کو مدِ نظر رکھ کر حضرت شاہ محمد غوثؒ کے افکار و نظریات پیش کریں گے۔

افکار و نظریات

افکار و نظریات

سالک کی تعریف

(یاد رکھو) جو شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کے راستے سے ہٹ جائے وہ کبھی سالک نہیں ہو سکتا۔ سالک کے لیئے لازم ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت میں مصروف رہے۔ اپنے قول و فعل سے آں حضورؐ کی فرماں برداری کی پوری سعی کرے۔ نماز ہمیشہ اوّل وقت میں پڑھے اور مسجد میں جا کر باجماعت ادا کرنے کی کوشش کرے کہ پہلی صف میں جگہ ملے مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ دوسروں کو دھکے دے کر پہلی صف میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ نصف شب گذرنے کے بعد بیدار ہو کر تہجد کی نماز پڑھے۔ خواہ آٹھ رکعت پڑھے یا بارہ رکعت بہتر یہ ہے کہ سورتیں لمبی لمبی پڑھے۔ بعض بزرگوں کا قاعدہ تھا کہ وہ ایک رکعت میں سورہ یوسف۔ دوسری میں سورۂ مزمل اور کبھی سورۂ اخلاص بارہ دفعہ پڑھتے تھے مگر اس طرح کہ ہر رکعت میں ایک ایک کم کر دیتے تھے۔ عشاء کے وتر بہتر یہ ہے کہ تہجد کی نماز کے بعد پڑھے۔ (پھر کہتا ہوں کہ) نمازِ تہجد میں جتنی طویل

قرات ہو بہتر ہے اس لیے کہ نماز میں قرآن کی تلاوت افضل قرار دی گئی ہے
نیند سے بیدار ہونے کے بعد یہ دُعا پڑھنی چاہیئے

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُکَ حَقٌّ وَقَوْلُکَ حَقٌّ وَلِقَاءُکَ حَقٌّ وَالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالنَّبِیُّوْنَ حَقٌّ وَالسَّاعَۃُ حَقٌّ اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَعَلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَاِلَیْکَ حَاکَمْتُ فَاغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَاِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بعد نمازِ تہجد اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا بیان کرے۔ یہ وقت دعا کی قبولیت کا ہوتا ہے (اس لیے اس سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے) نمازِ فجر با جماعت ادا کرو۔ افضل یہ ہے کہ نمازِ فجر کی سنتیں مسجد میں پڑھنے کی بجائے گھر میں پڑھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہی طریقہ تھا۔ سنتیں پڑھنے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے دائیں پہلو پر لیٹ جانا چاہیے کہ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا طریق ہے۔ نمازِ فجر کے بعد ذکر و فکر، حمد و ثنا اور درود و استغفار میں مصروف ہو جائے اور اس وقت تک مصروف رہے تا آنکہ سورج ایک یا دو نیزے کے برابر بلند ہو جائے۔ بعد اس کے نمازِ اشراق پڑھے۔ کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعت کہ اس کا بہت ثواب ہے۔ حدیث میں بھی اس کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ نمازِ تہجد سے لے کر اشراق کی نماز تک ذکر و فکر میں مصروف رہے اور اس دوران میں کوئی ایسی بات نہ کہے جس کا ذکرِ الٰہی سے تعلق نہ ہو۔ آفتاب میں تمازت پیدا ہونے کے وقت سے لے کر ڈیڑھ پہر دن تک نمازِ چاشت پڑھے بارہ یا آٹھ رکعتیں۔ یہ نماز قرات سے بھی پڑھ سکتا ہے۔ نمازِ ظہر کے فرضوں کے بعد اگر دو کی بجائے چار سنتیں ادا کرے تو اس کا بڑا ثواب ہے۔ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے نمازِ ظہر کے فرضوں کے بعد چار سنتیں پڑھ لیں اس پر جنت واجب کر دی گئی۔ اگر نمازِ عصر سے پہلے چار سنتیں پڑھ لے تو یہ امر بھی مستحب ہے۔ عشا کے فرضوں کے بعد بھی دو کی بجائے چار سنتیں پڑھنا مستحب قرار دیا گیا ہے۔ نمازِ مغرب کے بعد صلوٰۃِ اوابین پڑھنا بھی مستحب ہے۔ اس کی رکعات کے متعلق بعض روایتوں میں آتا ہے کہ بیس یعنی چاہئیں اور بعض میں چھ کا ذکر ہے۔ حدیث میں مذکور ہے کہ جو شخص صلوٰۃِ اوابین ادا کرے گا اس کا گھر جنت میں بنایا جائے گا۔ دن یا رات کے کسی حصے میں (سوائے اوقاتِ ممنوعہ کے) جب موقع ملے صلوٰۃِ تسبیح بھی پڑھ لینا چاہیے

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ اس شخص کے تمام چھوٹے بڑے اور نئے پرانے گناہ بخش دیئے جائیں گے جس نے صلوٰۃِ تسبیح کی چار رکعتیں ادا کر لیں۔ یہ گناہ خواہ اس سے سہواً ہوئے ہوں یا بہ الارادہ۔ نمازِ تسبیح کے ہر رکن کے اوّل اور آخر میں دس مرتبہ کلمۂ تمجید۔ قیام کی حالت میں بعد قراءت پندرہ مرتبہ اور قومہ و جلسہ کی حالت میں دس مرتبہ کلمۂ تمجید پڑھنا چاہیے۔ نیز دوسرے سجدے کے بعد ہر رکعت میں یہی کلمہ دس بار پڑھے۔ پھر تشہد شروع کرے یہ ایسی روایت ہے جس میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش نہیں۔ گو بعض روایتوں میں یوں بھی مذکور ہے کہ دوسرے سجدے کے بعد رکعت ثانی میں پچیس مرتبہ اور حالتِ قیام میں پچیس مرتبہ کلمۂ تمجید پڑھے۔ کوشش کرنی چاہیے کہ ہر وقت باوضو رہے اور سوتے سے قبل بھی وضو کرے۔ لغو گفتگو اور ایسے کاموں کو ترک کردے جن کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ جب کسی کام کا ارادہ کرے تو پہلے نمازِ استخارہ اور دعائے استخارہ پڑھے۔ نمازِ استخارہ کا طریقہ یہ ہے کہ ازسرِنو وضو کرے اور بعد نمازِ استخارہ دو نفل ادا کرے۔ رکعت اوّل میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد سورۂ قل یا ایہا الکافرون اور رکعتِ ثانی میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص پڑھے اور سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِكَ وَاسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَفَضْلِكَ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَتَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَاَنْتَ عَلَّامُ

الغیوب اللّٰھم ان کنت تعلم ان ھذا الامر خیر لی فی دینی ومعاشی وعاقبت امری عاجلہ واٰجلہ فبشرہ لی وبارک لی فیہ وان کنت تعلم ان ھذا الامرُ شر لی فی دینی و معاشی وعاقبۃ امریُ عاجلہ واٰجلہ فاصْرِفہ عنی واصرفنی عنہ واقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی برحمتكَ یَا اَرْحَمَ الرّاحِمِینُ ؛

معلوم ہونا چاہیے کہ اس استخارے میں خیر و برکت ہے اور یہ وہ استخارہ ہے جس کی صحت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے اور اس میں خیر و برکت کا مطلب یہ ہے کہ اس میں استخارہ کرنے والا اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہے کہ اے مولا کریم! اگر اس کام میں میرے لیے بھلائی ہو تو یہ کام تکمیل پذیر ہوجائے ورنہ نہ ہو۔ اس لحاظ سے یہ بڑا مفید استخارہ ہے کہ جس مقصد کے لیے کیا جائے گا اگر اس میں خیر ہوگی تو انجام پذیر ہوجائے گا ورنہ تکمیل کو نہیں پہنچے گا۔ . . . . یہ استخارہ آٹھ روز تک کرنا چاہیے۔ ان آٹھ یوم میں سے کسی نہ کسی دن اس کا کچھ نہ کچھ نتیجہ معلوم ہوجائے گا۔

سالک کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وضو اور غسل کرتے وقت کلمۂ شہادت پڑھ لیا کرے اور بہتر ہے کہ نفل نماز خاص طور پر تہجد میں دعائے ماثورہ بھی پڑھے

کہ اس سے محبتِ الٰہی کا اظہار ہوتا ہے اور یہ صرف سالک ہی کے لیے
نہیں بلکہ ہر شخص کے لیے ثواب کا موجب ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ آں
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجے کیونکہ یہ صرف معافیٔ
تقصیر ہی کا موجب نہیں ہوتا بلکہ اس سے دینی اور دنیوی مقاصد بھی پورے
ہوتے ہیں۔ قرآن کریم کی تلاوت بھی کرے اور کثرت سے کرے۔ دنیاداروں
سے رسم و راہ رکھنا گناہ نہیں لیکن ان کی صحبت اس غرض کے لیے اختیار کرنا
مکروہ ہے کہ ان سے کوئی فائدہ حاصل ہو جائے۔ اہلِ بدعت اور جہلا کی
ہمنشینی سے اجتناب کرے نہ دوسرے لوگوں سے بہت زیادہ میل ملاپ
رکھے (کہ دینی امور کی انجام دہی میں رکاوٹ پیدا ہو جائے) کتبِ حدیث و فقہ
کو زیرِ مطالعہ رکھے۔ یاد رہے کہ فقہ کو حدیث پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔
ہاں اگر فقہ کا کوئی قول حدیث سے مطابقت رکھتا ہو تو اسے ضرور قبول کر
لینا چاہیے۔ غیبت، دروغ گوئی، حسد، تکبر، کینہ، بخل اور ریاکاری سے مکمل
طور پر اجتناب لازم ہے۔

طریقت کی تعریف

معلوم ہونا چاہیے کہ طریقت نام ہے سلوکِ باطنی کے راستے کا۔ جو
لوگ مرتبۂ ولایت پر فائز المرام ہوئے وہ اسی راستے کو اختیار کرنے کے بعد اس

مرتبہ تک پہنچے اور انہیں یہ نعمت جناب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سینہ
بہ سینہ ملی۔ مرتبۂ ولایت تک پہنچنے اور راہ طریقت پر چلنے کی کچھ شرائط اور اصول ہیں۔

شرط اول: کم غذا کھانا۔ کیونکہ زیادہ کھانے سے قلب سیاہ اور انسان
غفلت کا شکار ہو جاتا ہے۔ ہاں اتنا کھانا چاہیئے جتنا زندگی برقرار رکھنے کے
لیے ضروری ہو۔ اس سے زیادہ کھانا مسافرِ راہِ طریقت کے لیے نقصان دہ ہے
تھوڑا کھانا بھی اسی وقت مناسب ہے، جب بھوک بہت بری طرح غالب
آ جائے۔ لیکن شدید بھوک کے باوجود نہ کھانا درست نہیں اور نہ اتنا کم کھائے
کہ نماز میں قیام کرنے کی قوت بھی نہ رہے۔ اسی طرح اتنا زیادہ کھانا بھی درست
نہیں جس سے پیٹ میں گنجائش ہی نہ رہے۔ بہتر یہ ہے کہ دن میں ایک مرتبہ
کھائے اور اگر دو مرتبہ کھانا ضروری ہو جائے تو تھوڑی تھوڑی مقدار میں کھائے

شرطِ دوم:۔ کم گفتگو کرنا۔ اس لیئے کہ زیادہ بولنے سے بھی خرابی پیدا
ہوتی ہے اور انسان (ذکرِ الٰہی سے) غافل ہو جاتا ہے۔

شرطِ سوم:۔ لوگوں سے علیحدگی۔ اس لیئے کہ لوگوں کے ساتھ ضرورت
سے زیادہ یا بلا وجہ اختلاط انسان کو خدا کی طرف سے غافل کر دیتا ہے۔ اگر
ہر وقت تنہائی ممکن نہ ہو تو جو وقت ملے اسے گوشہ نشینی میں گذارے۔ ہاں ایسے
امور کے لیے گھر سے باہر نکلنے اور لوگوں سے ملنے جلنے میں حرج نہیں جیسے
خورد و نوش، حصولِ علم۔ بیمار کی عیادت، جنازے میں شرکت یا حلال لغذی

کمانا۔ یاد رہے کہ جہاں تک دلی اور حقیقی تعلق کا کام ہے وہ صرف خدا کے ساتھ رکھے۔

سلوک

سلوک نام ہے باطن کو صاف کرنے کا۔ صفائی باطن کی پانچ شرطیں ہیں (۱) صدق (۲) توکل (۳) یقین (۴) صبر (۵) عزم۔

۱۔ صدق: ۔صدق اس کا نام ہے کہ سالک خواہ خالق کے ساتھ معاملہ کرے یا مخلوق کے ساتھ ہر دو کے ساتھ معاملہ کرنے میں صادق ہو۔

۲۔ توکل: ۔توکل کے معنی ہیں ہر حال میں اللہ تعالٰے کی ہستی پر بھروسہ کرنا۔ دنیوی اسباب اور لوگوں پر تکیہ نہ کرے۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک سے ترک تعلق کر کے خداوند تعالٰے سے رشتہ جوڑے اور اس یقین پر پختہ ہو جائے کہ اللہ تعالٰے کے سوائے کوئی اور نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر دنیا کی ساری طاقتیں ایک شخص کو نقصان پہنچانا چاہیں مگر اللہ تعالٰے کا حکم نہ ہو تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

۳۔ عزم: ۔عزم اس کا نام ہے کہ انسان جب کسی امر کا ارادہ کرے تو اس پر نہایت مضبوطی سے قائم رہے اور اپنے ارادے میں اتنا مستحکم ہو کہ جان دینا گوارا کرے مگر اس کا پائے ثبات متزلزل نہ ہو۔

(۴) **صبر:** ۔صبر سے کہتے ہیں کہ انسان مصائب و آلام میں صبر و شکر کا مظاہرہ کرے۔ اس پر نہ تو ظاہراً گھبراہٹ طاری ہو اور نہ باطنی طور پر۔ اسے جو کچھ اللہ تعالٰے کی طرف سے عطا ہو اس پر قناعت کرے اس سے زیادہ کا خیال تک دل میں نہ لائے۔ سالک کا حقیقی مقام تو یہ ہے کہ اسے جو کچھ عطا ہو اسے روک کر نہ رکھے بلکہ مستحقین میں تقسیم کر دے۔ ارکانِ شریعت سے غافل نہ ہو۔ ارکانِ شریعت میں یہ بھی شامل ہے کہ ذکر اور شکر کرنے کے نتیجے میں مرشد کی توجہ سے جو کچھ حاصل ہو اس پر عمل کرے۔

اوّل مرشدِ کامل کی جستجو کرے اور جب وہ مل جائے تو اس کی ہدایات کو مشعلِ راہ بنائے۔ اس عاجز نے اپنے مرشد اور دیگر بزرگانِ دین سے اس سلسلے میں جو کچھ حاصل کیا ہے اس میں سے چند باتیں درج کرتا ہوں۔

اوّل: تہجد کی نماز کے بعد یا کسی اور وقت خلوت میں بیٹھ جائے اور اپنے مرشد کی صورت ذہن میں لائے۔ یہ عمل اس قدر تواتر سے کرے کہ اس کی تصویر دل میں پختہ ہو جائے۔ تصوف کی اصطلاح میں اس کا نام برزخ یا رابطہ ہے۔ اس طریقے سے فیوض و برکات کا بکثرت نزول ہوتا ہے۔ ہمہ وقت اس کے حضورِ تصور میں رہنے کی کوشش کرے حتیٰ کہ فنافی الشیخ ہو جائے۔

دوم: ۔بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ کا ورد کرے۔ پہلے لا الٰہ کی ضرب لگائے پھر محمد رسول اللہ کی اور محمد رسول اللہ متواتر گیارہ مرتبہ کہے۔ اس کے

بعد یہ الفاظ کہے کہ اے خداوند کریم تو اور تیری محبت ہی میرا منتہائے مقصود ہے

گو ذکرِ جہر (بلند آواز سے ذکر) کی اجازت ہے اور ذکرِ خفی (دل میں ذکر کرنا) مقامِ عزیمت ہے لیکن متبدی کے لیے ذکرِ خفی ابتلا کا باعث ہو سکتا ہے کیونکہ ابتدا میں غفلت کا غلبہ ہوتا ہے اور اس ابتلا کا امکان ذکرِ جہر کے بغیر دور نہیں ہو سکتا۔ اس لیے متبدی کو چاہیے کہ باآوازِ بلند ذکرِ الٰہی کرے۔

ذکرِ جہر کی خوبی یہ ہے کہ خطرات سے نجات دیتا، غفلت کو دور کرتا اور قلب کے نور میں اضافہ کرتا ہے اور یہ کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ذوق و شوق سوزِ عشق اور بے خودی غالب آجائے۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے بزرگوں نے ذاتی تجربات اور کشوف سے معلوم کیا ہے (یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ) باآوازِ بلند ذکر کرنے کا مقصد لوگوں کو سنانا ہے۔ یہ تو ریاکاری میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے حال سے بخوبی آگاہ ہے۔ اس کا مقصد در اصل نفسانی خیالات اور شیطان پر غلبہ پانا ہے تاکہ نفس کے تمام خطرات جاتے رہیں اور نورِ قلب میں اضافہ ہو۔ بزرگانِ دین کے تمام سلسلوں میں یہی طریقہ رائج ہے البتہ نقشبندی سلسلے میں ذکرِ جہر نہیں ہے لیکن اس سلسلے کے بعض قدیم بزرگوں کا اس پر عمل رہا ہے مگر جب حضرت خواجہ صاحب کو حضرت عبدالخالق غجدوانی سے فیضِ روحانی حاصل ہوا تو انہوں نے ذکرِ جہر سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس کے ترک کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اس لیے ذکرِ جہر ایک سال سے زیادہ نہیں کرنا چاہیے۔

کلمہ طیبہ کے معنی

صوفیاء نے کلمہ طیبہ کی یہ تعریف کی ہے کہ سب سے پہلے لاالٰہ الا اللہ کا تصور کیا جائے کچھ عرصے کے بعد جب دیکھیں کہ غیر اللہ کی محبت جاتی رہی ہے تو لا مقصود الا اللہ کا تصور کیا جائے۔ پھر جب دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوائے اب کوئی مقصود و مطلوب نہیں رہا تو اس کے بعد لا موجود الا اللہ کا تصور کیا جائے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوائے اس کی نگاہوں سے ہر چیز غائب ہو جائے۔

ذکرِ روح

جس قدر اذکار ہیں ان میں روح کا ذکر سب سے بلند مقام کا حامل ہے روح کے ذکر کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا دل خداوند کریم کی ذات و صفات کی معرفت میں اس طرح ڈوب جائے کہ اس کی ذات کے سوائے اس کے دل میں کچھ بھی باقی نہ رہے تمام مراقبے روح کے ذکر میں داخل ہیں اس کا الفاظ اور اسماء سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس قسم کا ذکر جسم سے کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ روح کا جوہر ہے۔

* * * * *

حقیقت کی تعریف

حقیقت اس وقت تک ادراک میں نہیں آسکتی جب تک کہ اس کے مختلف درجوں کو سمجھنے کی کوشش نہ کی جائے۔ نوافل کی ادائیگی اس کا درجۂ اوّل ہے۔ مطلب یہ کہ نوافل پڑھنے سے اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے یہ اس لیے کہ نوافل ہم پر فرض نہیں کئے گئے بلکہ حقیقت کا متلاشی خود اپنے اوپر فرض کر لیتا ہے۔ اس طرح ثابت ہوا کہ بندہ فاعل ہے۔ اگر قربِ الٰہی فرائض کی ادائیگی سے حاصل ہوگا تو اس طرح خدا کا فاعل ہونا ثابت ہوگا۔ اس صورت میں بندے کی حیثیت مثل ایک آلے کے ہوگی جسے خداوند تعالےٰ نے استعمال کیا، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس طرح بندہ خود فاعل نہیں ہے یعنی یہ فرض اس نے اپنے طور پر عائد نہیں کیا بلکہ اللہ تعالےٰ نے اس پر یہ فرض عائد کیا۔ یہ درجہ اصطلاحِ تصوف میں تقربِ فرائض کہلاتا ہے۔ اگر ایک شخص تقربِ نوافل اور تقربِ فرائض دونوں مراتب حاصل کرلے اور اس تقرب کے باعث اس کی ہستی درمیان میں سے گم ہو جائے تو اس حالت کو جمع الجمع اور قاب قوسین کے نام سے موسوم کرتے ہیں — آیت

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ . . . الخ

اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔

دوسرا درجہ اطلاق کہلاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ سالک جس درجہ میں چاہے خود کو داخل کرلے اور وہ صفات اپنے اندر پیدا کرلے۔ یہ مرتبہ احدیت . . . . کہلاتا ہے۔ اس کے بعد مرتبۂ ذات آتا ہے۔ . . . . . . یہی حقیقت محمدیؐ ہے کہ اس مرتبہ پر تمام تعینات کا انحصار ہے عقل کل اور قسم اعلیٰ بھی اسی مرتبے کے دوسرے نام ہیں اور یہی تعین اوّل کہلاتا ہے اس لیے کہ صوفیا کے نزدیک ذات کے لیے صفات کی . . . قابلیت کا درجہ رکھنے والا یہی مرتبہ یعنی تعین اوّل ہے اور چونکہ حقیقت محمدیؐ پر تمام ممکنات کا مدار ہے پس یہی تعین اوّل ٹھہری: یہی سارے مراتب ومناسب کی جامع ہے اور دنیا میں جو کچھ ہے سب اسی کا مظہر ہے۔ جب سالک ان مراتب میں داخل ہو جاتا ہے تو سیر الی اللہ مکمل ہو جاتا ہے اور صوفیوں کی اصطلاح میں یہی مرتبۂ حقیقت کہلاتا ہے۔ اس کے بعد وہ درجہ آتا ہے جسے سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں صفاتِ الٰہی اور تجلیاتِ باری کا ہر وقت مشاہدہ کرتے رہنا اس کے بعد سالک اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس پر ہر روز اور ہر وقت اللہ تعالےٰ کی صفات منعکس ہوتی رہتی ہیں اور چونکہ تجلیاتِ باری تعالےٰ کی کوئی حد نہیں اس لیے سالک کی یہ کیفیات بھی لامحدود ہو جاتی ہیں۔

* * * * *

معرفت کی تعریف

معلوم ہونا چاہیے کہ جب سالک کی نگاہ اس مقام پر پہنچ جائے کہ ہستیٔ باری تعالےٰ کے سوائے اور کچھ باقی نہ رہے اور اللہ تعالےٰ اپنے بندے کو اپنی ہستی میں اس طرح گم کرے کہ وہ خود تو فنا ہو جائے مگر ہستیٔ باری تعالےٰ میں جذب ہو کر زندہ ہو جائے تو اس عالم میں سالک کی نظر سے ہر چیز اوجھل ہو جاتی ہے اور صرف خدا باقی رہ جاتا ہے۔ اس صورت میں سالک کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ نورِ خداوندی کے کرشمے ہوتے ہیں یعنی اسے سوائے ذاتِ واحد کے...... اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اس کا نام توحیدِ شہیدی ہے۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ کائنات میں ذاتِ حق کے سوائے کچھ موجود نہیں اور ہمیں یہ جو کثرتِ اشیاء نظر آتی ہے اور مختلف صورتیں ہم دیکھتے ہیں یہ سب صفاتِ الٰہی اور اسمائے باری تعالےٰ کا انعکاس ہیں۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ جس قدر خدائی صفات ہیں وہ سب عینِ ذات ہیں اور علمی صورت میں ہیں جو کچھ نظر آتا ہے وہ عینِ علم ہے۔ اس لحاظ سے علم کی مختلف صورتیں جو فیضانِ خداوندی سے مرتبۂ علم میں ظاہر ہوئیں وہ عینِ علم ہیں گویا وہ ہمہ اوست[1]

---

[1] یہاں ایک نکتہ لائقِ توجہ ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ ہمہ اوست کے قائل کہتے ہیں کہ سب کچھ خدا ہے اس کے سوائے اور کچھ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ "ہمہ از اوست" (باقی اگلے صفحہ پر)

کا نظریہ رکھتے ہیں کیونکہ غیر اللہ کچھ موجود نہیں اور ہر طرف اسی کا ظہور نظر آتا ہے۔

کچھ صوفیا اس نظریے کے حامل ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی صفات اس کی ذات سے الگ ہیں متکلمین کا یہی نظریہ ہے۔ ان کے خیال کے مطابق علمِ حق عینِ حق نہیں ہو سکتا اور علم کی مختلف اشکال گو علم کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی ہیں۔ لیکن عینِ علم نہیں ہو سکتیں۔ وہ دلیل اس کی یہ دیتے ہیں کہ یہ چیزیں معدوم ہو جاتی ہیں اور ذات کبھی معدوم نہیں ہو سکتی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ صفات ذات (اللہ تعالےٰ) سے ہیں نہ کہ ذات صفات سے ہے یا جو کچھ ہے صفات ہی ہیں۔ اس سے لازم آیا کہ مسئلہ وحدتِ وجود بالکل صحیح ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ اللہ تعالےٰ ان اشیاء اور صورتوں میں حلول کر گیا ہے در اصل اس کا مطلب یہ ہے کہ اشیاء کے حقائق پر جو علم کے مرتبہ میں تھیں حق تعالےٰ نے اپنی صفات منعکس فرمائیں اور اس انعکاس الٰہی کی وجہ سے ان اشیاء کا ظہور ہوا۔ بظاہر یہ اشیائے عنصری مادۂ اربعہ سے بنی ہیں لیکن غور کرو کہ ان اربعہ عناصر کے مادے کی حقیقت کیا ہے۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ عکس اصل سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ اگر ایک شخص کئی آئینے رکھ کر ان کے سامنے کھڑا ہو جائے تو اسے

(گذشتہ سے پیوستہ) یعنی جو کچھ ہے ذاتِ خداوندی کی وجہ سے ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا تصوف میں یہ اجتہاد نہایت لطیف ہے اور آپ کا یہ نظریہ دل و دماغ کو زیادہ اپیل کرتا ہے۔ (پیام)

متعدد چہرے نظر آئیں گے لیکن وہ اپنی ذات میں ایک ہی ہوگا حالانکہ بظاہر کئی چہرے نظر آرہے ہوں گے۔ پس لازم آیا کہ عکس کی اپنی ذات میں کوئی حقیقت نہیں۔ اسی طرح اگر اس عالمِ موجودات میں متعدد اشیاء اور صورتیں نظر آئیں تو جس کی ذات کے یہ جلوے ہیں وہ تو ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ البتہ آئینہ اپنا ایک مستقل وجود رکھتا ہے اور ان علمی اور شخصی یا اشیا کی صورتوں کا کوئی مستقل وجود نہیں۔ . . . . بلکہ جو کچھ نظر آتا ہے صفاتِ الٰہی کے انعکاس سے ظاہر ہوتا ہے۔

ذاتِ حق

معلوم ہونا چاہیے کہ اصطلاحِ تصوف میں ذاتِ حق تعالٰے اپنی صفات سے مجرد ہونے کی حالت میں مرتبۂ احدیث سے موسوم کی جاتی ہے اور اس ذات کو صفات کے ساتھ ہونے کی صورت میں مرتبہ وحدت کہتے ہیں جس طرح بیج اکیلا ہوتا ہے مگر اس میں شاخیں، پتے اور پھل لانے کی قابلیتیں اور صلاحیتیں مضمر ہوتی ہیں۔ یہی حقیقتِ محمدی اور یقینِ اوّل بھی کہلاتی ہے۔ جب ذات صفات سے متصف ہو یعنی صفات کا ذات میں ظہور ہو جائے تو یہ حالت مرتبہ واحدیت کہلاتی ہے۔ اس مرتبہ کا پہلا درجہ ذات میں صفتِ الوہیت کا ظہور ہے اور یہ وہ صفت ہے جو صفتِ ذات کے لئے وجوب کا درجہ رکھتی ہے۔ الوہیت

کے بھی دو مرتبے ہیں اگر ذات تمام صفات سے متصف ہو تو یہ مرتبۂ لاہوت کہلاتا ہے اور اگر ہر صفت کو الگ الگ ذات سے متصف کیا جائے تو یہ مرتبہ جبروت کہلاتا ہے۔

بعض صوفیاء نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ علم، سمع، بصر اور قدرت کی صفاتِ ذاتی سے ذاتِ باری تعالٰے کے متصف ہونے کو جبروت کہتے ہیں یہ صفات ارواح اور ملائکہ میں ظاہر ہونے کی صورت میں ملکوت کہلاتی ہیں۔ گویا صفاتِ حق نے حقائقِ علم کا مرتبہ اختیار کر لیا اور یہی صفات جب مثالی صورت میں ظاہر ہوں تو یہ عالم مثال کہلاتا ہے۔ عالمِ مثال سے مراد یہ ہے کہ اس میں ہر شئے کی ایک مثال اور شکل موجود ہوتی ہے۔ یہ مثالی صورت ظاہری صورت کے مقابلے میں کہیں زیادہ لطیف اور بقا کی حامل ہوتی ہے۔ عالم ناسوت اور عالمِ ملکوت کے درمیان ایک اور عالم ہے اسے عالمِ برزخ کہتے ہیں بعض اولیا نے عالمِ کشف میں اس کی سیر کی ہے۔ ایسے ہی بعض بزرگوں نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص خواب میں اپنے آپ کو کسی مقام پر موجود پاتا ہے حالانکہ وہ وہاں نہیں ہوتا اسی کا نام مثالی صورت ہے۔ کچھ لوگ اس صورت کا مشاہدہ عالمِ خواب میں کرتے ہیں اور مقربِ الٰہی بندے عالمِ بیداری میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

عالمِ ملکوت میں جو شئے سب سے پہلے ظہور پذیر ہوئی وہ نورِ محمدی تھا۔

گو حقیقتِ محمدیؐ مرتبۂ احدیت ...... ہی میں تھی۔ احدیت عین حقیقتِ محمدیؐ کا دوسرا نام ہے اور احدیت الوہیت کے مرتبہ میں مضمر تھی۔ . . .
بعدہٗ مرتبہ ملکوت کا نور کی شکل میں ظہور ہوا۔ پھر اسی سے ساری دنیا کی تخلیق ہوئی ارواح اور ملائکہ کی تخلیق نور سے ہوئی اور نور ہی عناصر اربعہ کا مرکزِ تخلیق ہے۔ اس لیے کہ جب نور حرارت پذیر ہوا تو اس سے صفتِ آتش کا ظہور ہوا۔ آتش سے ہوا، ہوا سے پانی اور پانی سے مٹی عالمِ وجود میں آئی گویا ان چاروں کا مبدا نور ہے اور پھر اس سے عالم اربعہ وجود میں آئے۔ حدیثِ مندرجہ ذیل میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

الخلق کلھم من نوری وانا من نور اللہ۔

فنا و بقا

سالک کو چاہیئے کہ اوّل خود کو نورِ محمدی میں فنا کر دے۔ اگر وہ مرتبۂ لاہوت سے گذر کر وحدت و احدیت کے مرتبہ میں داخل ہو گیا تو یہ مرتبہ لاہوت ہو گا۔ اگر پھر درجہ بہ درجہ تنزل کرے تو بقا و معرفت کے مراتب ہیں اگر یہ مراتب بغیر کسی ترتیب کے بہ جذبِ ایزدی طے کرے تو اس کو جذبہ سے موسوم کریں گے اور جو ان مراتب کو طے کرے گا وہ مجذوب کہلائے گا لیکن اس کے لیے سلوک کے راستے سے داخل ہونا شرط نہیں ہے۔ لیکن جو

مرتبہ سلوک کی ترتیب کے موافق حاصل کرے گا وہ سالک کہلائے گا اور اگر پہلے سلوک اور پھر جذبہ ہو تو وہ مجذوب سالک کہلائے گا اور جذبہ مقدم ہونے کی صورت میں بھی مجذوب سالک ہو گا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر فنا و بقا کے مراتب کامل یقین اور تدبر و جستجو کے ذریعہ سے حاصل کئے جائیں تو یہ علم الیقین کہلائے گا اور اگر اس کے حصول میں مشاہدے کو دخل ہو۔ مگر کسی شرط اور حجاب کے بغیر تو اس حالت کو عین الیقین کہیں گے لیکن یہ کیفیت شاذ ہی ہوتی ہے لیکن اگر اس حالت کا ورود مستقل ہو جائے تو اس مرتبہ کا نام حق الیقین ہو گا۔ . . . جس وقت سالک ہر شے کو ذاتِ واحد میں ڈوبا ہوا دیکھے اور اسے صرف ایک ہی وجود نظر آئے تو اس مرتبے کا نام حقیقت ہے۔ لیکن جب اسے وجودِ مطلق ظہور میں جلوہ نما نظر آئے اور مراحل مختلفہ میں صفات کے ذریعہ فرق کرنا آجائے تو یہ معرفت کہلاتی ہے۔

تجلیاتِ الٰہی

معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کی تجلیات چار قسموں پر مشتمل ہیں۔
(۱) تجلی عینی علمی:۔ اس میں صورِ علمیہ کا ظہور ہوتا ہے۔
(۲) تجلی وجودی:۔ اس سے اشیائے خارجی کا ظہور ہوتا ہے۔

(۳) تجلی شہودی:- اس کا ظہور اہل شہود پر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بھی دو قسموں پر مشتمل ہے۔ اوّل سالک کی نگاہِ شہود غیریت کے حجاب سے الگ ہو جانے اور اشیائے خارجی کا مشاہدہ اسی تجلی سے کرے اور حق کے سوائے ہر شے اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔ دوم اللہ تعالےٰ عالم مثال میں ظہور پذیر ہو۔ عالم مثال کی تشریح یہ ہے کہ صورتِ انوار، صورتِ موجودات یا صورتِ معانیٔ ذوقیہ۔ اس کو تجلیاتِ ذاتیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

(۴) تجلیٔ اعتقادی:- یہ وہ تجلی ہے جو صاحبِ انفعالِ خداوندی کے معتقدات کی پیروی کرنے اور ان پر تدبر و تفکر کرنے سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔

ذکر و فکر

اور معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر یادِ الٰہی میں حروف اور الفاظ کا دخل ہو جس طرح اللہ یا لا الٰہ الا اللہ کا زبان سے ادا کرنا تو صوفیا کی اصطلاح میں یہ ذکر کہلائے گا۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ الفاظ زبان ہی سے ادا ہوں بلکہ ان الفاظ کو دل میں ادا کرنا بھی ذکر ہی میں شمار ہوگا۔ لیکن اگر ہستیٔ باری تعالےٰ کے مشاہدے میں الفاظ کو دخل نہ ہو تو یہ اصطلاح تصوف میں فکر کہلاتا ہے[۱]

---

[۱] اس باب کے تمام اقتباسات حضرت شاہ محمد غوثؒ کے تصنیف کردہ "رسالہ غوثیہ" کے اس قلمی نسخے کا ترجمہ ہیں جو قلمی صورت میں آپ کے موجودہ سجادہ نشین سید محی الدین عابد الغفوری الگیلانی (محلہ پشاور) کی تحویل میں ہے۔ (مؤلف)

سالِ ولادت و وفات کی تحقیق

سالِ ولادت و وفات کی تحقیق

حضرت شاہ محمد غوثؒ کے سنہ ولادت پر بحث اصولاً اس کتاب کے شروع میں درج ہونی چاہیے تھی مگر چونکہ آپ کے سنہ وفات کی تعین ابھی تک نہیں کی جا سکی اس لیے یہ مسئلہ تحقیق طلب تھا۔ اس تحقیق کے سلسلے میں بعض ایسی تصریحات پیش کرنی ضروری تھیں جن کا تعلق آپ کی ولادت کے واقعات بلکہ خلافت کے بھی بعد پیش آنے والے معاملات سے تھا اس لیے اس کتاب کے مؤلف نے مناسب سمجھا کہ آپ کی ولادت کے سنہ پر بحث اس موقع پر کی جائے جب ان واقعات کا بیان قارئین کی نظر سے گذر چکا ہو۔ اس لیے اب ہم آپ کے سنہ ولادت و وفات کے متعلق اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

حضرت شاہ محمد غوثؒ کا تذکرہ جن مصنفوں اور مورخوں نے کیا ہے ان میں سے ہر مصنف اور مورخ نے آپ کی وفات کا سنہ تو درج کیا ہے لیکن سنہ ولادت کا کسی نے کوئی ذکر نہیں کیا، اس لیے کہ آپ کے حالات گوشہ گمنامی میں تھے۔ البتہ زمانہ حال کے ایک فاضل مصنف مولانا غلام دستگیر نامی مرحوم نے اپنے ۸۰ صفحات کے مختصر سے رسالے میں آپ کا سنہ

ولادت متعین کرنے کی کوشش کی ہے ہم پہلے نامی مرحوم کی تحقیق خود انہیں کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ مرحوم فرماتے ہیں۔

نامی صاحب کی تحقیق

"حضرت شاہ محمد غوثؒ کی تاریخِ ولادت معلوم ہو سکی نہ ان کے والد سید حسنؒ پشاوری کی۔ ہاں دونوں کی تاریخ رحلت معلوم ہے۔ فرزندِ دلبند (حضرت شاہ محمد غوثؒ) کی ۱۱۵۲ھ اور والد ماجد کی ۱۱۱۵ھ۔ یہ محی الدین اورنگ زیب کی حکومت ہندوستان کا ۴۷واں سال تھا۔ اس سے دو سال بعد ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء میں وہ فوت ہو گیا اور جب شاہ محمد غوثؒ نے ۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹ء میں وفات پائی۔ اس وقت محمد شاہ بادشاہ کی فرماں روائی کا ۲۱واں برس تھا جس کے نو سال بعد ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء میں وہ مر گیا۔

حضرت شاہ محمد غوثؒ نے اپنی کتاب (اسرارِ طریقت) کی ساتویں فصل میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد کے انتقال کے بعد عزم سفر کیا۔ ہند اور عرب کی سیر کی۔ بزرگوں کی زیارت سے مستفید ہوا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ کی عمر کے ۳۷ سال سیاحت برائے حصولِ فیضِ بزرگاں میں صرف ہوئے۔ سابقہ زندگی کے ۱۵ برس شمار کر لیں تو ۵۲ برس آپ کی زندگانی کے ہوئے۔ ۱۱۰۰ھ سے ۱۱۵۲ھ۔ گویا آپ کی ولادت عالمگیر عہد میں ہوئی اور وفات محمد شاہی عہد میں"[1]

---

[1] سوانح حیات حضرت شاہ محمد غوثؒ ص ۲۸ مؤلفہ پیر غلام دستگیر نامی

حضرتِ شاہ محمد غوثؒ کی عمر

نامی صاحب مرحوم کی تحقیق کے مطابق حضرت شاہ محمد غوثؒ کی پیدائش
سنہ ۱۱۰۰ھ میں ہوئی۔ آپ نے ۵۲ سال کی عمر پائی اور ۱۱۵۲ھ میں فوت ہوئے
لیکن نامی مرحوم کی یہ تحقیق کئی وجوہ کی بنا پر غلط ہے۔ سب سے پہلے تو ان کا
یہی فقرہ محل نظر ہے کہ "آپ کی عمر کے ۳۰ سال سیاحت برائے حصولِ فیض
بزرگان میں صرف ہوئے"۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ کا تذکرہ جن کتابوں میں کیا گیا ہے
وہ سب ہماری نظر سے گذری ہیں۔ ان میں سے کسی کتاب میں آپ کی سیاحت کی
مدت درج نہیں ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ نامی صاحب مرحوم نے یہ مدت
کہاں سے معلوم کی اور کس روایت کی بنا پر اپنی کتاب میں درج کر دیا۔ پھر انہوں
نے اس کتاب کا حوالہ بھی نہیں دیا جس میں حضرت شاہ محمد غوثؒ کی سیاحت کی
مدت ان کی نظر سے گذری تھی۔ درحقیقت اس مدت میں انہوں نے سراسر قیاس
اور ظن و تخمین سے کام لیا حالانکہ تاریخ اور تذکرے دونوں کی بنیاد قیاس پر نہیں
بلکہ صحیح واقعات اور دلائل پر رکھی جاتی ہے۔ اس سے بھی زیادہ عجیب نامی
صاحب مرحوم کے یہ الفاظ ہیں کہ "اگر سابقہ زندگی کے ۱۵ برس شمار کر لیں
تو ۵۲ برس کے قریب آپ کی زندگانی کے ہوئے"

نامی صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ سیاحت سے قبل حضرت شاہ محمد غوثؒ

نے اس عالمِ خاکی میں پندرہ سال گذارے۔ یعنی پندرہ سال کے بعد آپ نے
سیاحت شروع کی۔ اُن کا یہ خیال بھی واقعات کے خلاف ہے۔ خود حضرت
شاہ محمد غوثؒ اپنی کتاب رسالہ غوثیہ۔۔۔ میں فرماتے ہیں کہ "انیس سال کی
عمر میں میں نے علوم متداولہ کی تکمیل کر لی[1]" آگے چل کر فرماتے ہیں کہ تعلیم سے
فارغ ہونے کے بعد میں نے والد مرحوم سے عرض کیا کہ مجھے طریقت کا راستہ
اختیار کرنے کی اجازت دی جائے[2]" اس سے پہلے بھی آپ نے اپنے والد
بزرگوار سے راہِ طریقت اختیار کرنے کی اجازت مانگی تھی۔ مگر انہوں نے جواب
دیا کہ پہلے تعلیم مکمل کر لو پھر اجازت ملے گی۔

یہاں یہ نکتہ غور طلب ہے کہ جب حضرت شاہ محمد غوثؒ نے ۱۹ سال
کی عمر میں تعلیم مکمل کی تو نامی صاحب ان کی سیاحت سے پہلے کی عمر ۱۵ سال
کیسے قرار دیتے ہیں۔ سیاحت تو تعلیم کے بعد شروع ہوئی جیسا کہ خود حضرت
شاہ محمد غوثؒ فرماتے ہیں۔ پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ حضرت شاہ محمد غوثؒ
کی سیاحت کا آغاز تکمیلِ تعلیم کے فوراً بعد نہیں ہوا جیسا کہ آگے چل کر ہم ثابت کریں گے
کہ کم از کم بارہ سال کے بعد آپ نے پشاور سے عرب و ہند کی طرف
رختِ سفر باندھا۔ غرض یہ کہ جس رخ سے دیکھا جائے نامی صاحب کی
تحقیق غلط ہے اور انہوں نے حضرت شاہ محمد غوثؒ کی ولادت کا جو سنہ

---

[1] اسرار الطریقت ص ۱۱ [2] اسرار الطریقت ص ۱۲

(۱۱۰۰ھ) متعین کیا ہے وہ درست نہیں۔ اسی طرح انہوں نے حضرت شاہ محمد غوثؒ کا جو سالِ وفات ۱۱۵۲ھ درج کیا ہے وہ بھی تحقیق کے بعد درست ثابت نہیں ہوتا۔ سب سے پہلے ہم آپ کے سنہ وفات پر بحث کرتے ہیں کیونکہ اسی کی صحت پر آپ کے سنہ ولادت کا انحصار ہے۔

سنہ وفات کی تحقیق

نامیؔ صاحب نے حضرت شاہ محمد غوثؒ کا جو سنہ وفات درج کیا ہے وہ غالباً انہوں نے مفتی غلام سرور لاہوری کی کتاب "خزینۃ الاصفیا" یا "گنجینۂ سروری" سے لیا ہے کیونکہ ان دونوں کتابوں میں آپ کا سنہ وفات ۱۱۵۲ھ درج ہے چنانچہ مفتی غلام سرور لاہوری نے اپنی کتاب گنجینۂ سروری میں بہت سے بزرگوں کی وفات کی تاریخیں نظم کی ہیں ان میں مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ بھی درج ہے۔[1]

تاریخ وفات حضرت شاہ محمد غوث قادریؒ لاہوری

غوث و قطبِ دیں محمد غوثؒ پیر — شد چو در جنت بصد لطف و خوشی
عارف مخدوم قطب آمد وصال (۱۱۵۲ھ) — بار دیگر راہ بہ سید سخی (۱۱۵۲ھ)

ہم اس سنہ وفات کو تسلیم کر لیتے بشرطیکہ اگر اس سے مختلف سنہ وفات بعض اور کتابوں میں درج نہ ہوتا مگر اس کا کیا علاج کہ انہیں مفتی غلام سرور لاہوری

[1] گنجینۂ سروری ص۳۷۔

نے حضرت شاہ محمد غوثؒ کی وفات پر ایک اور قطعہ تاریخ لکھا ہے جس سے آپ کی وفات کا سنہ ۱۱۷۷ھ نکلتا ہے۔ چنانچہ تحقیقاتِ چشتی کے مصنف مولوی نور احمد چشتی لکھتے ہیں کہ "مفتی غلام سرور صاحب نے ایک قطعۂ تاریخ بامید اندراج کتاب ہذا میرے پاس بھیجا اور وہ یہ ہے۔

محمد غوثؒ پیرِ رہنمائے — کہ بُد در سیداں دینِ مرتاض
بتاریخِ وصالِ آں شہِ دیں — ندا آمد کہ "سید پیر فیاض"[1] (۱۱۷۷ھ)

لیکن لطیفہ یہ ہے کہ مولوی نور احمد چشتی مرحوم نے اس قطعہ کو شائع کرنے کے باوجود حضرت شاہ محمد غوثؒ کا سال وفات بجائے ۱۱۷۷ھ کے ۱۱۶۰ھ لکھا ہے۔

فوقؔ مرحوم کی رائے

محمد الدین فوقؔ مرحوم چشتی مرحوم کی اس غلطی پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "حضرت شاہ محمد غوث کی وفات کا سال تحقیقاتِ چشتی میں بجائے ۱۱۷۷ھ کے ۱۱۶۰ھ درج ہے۔ تحقیقاتِ چشتیہ میں یہ قطعہ بھی سالِ وفات کا درج ہے ؎

محمد غوث پیرِ رہنمائے — کہ بُد در سیداں دینِ مرتاض
بتاریخِ وصالِ آں شہِ دیں — ندا آمد کہ "سید پیر فیاض"

[1] تحقیقاتِ چشتی ص۱۵۳

"سید پیر فیاض" سے ۱۱۷۶ھ نہیں بلکہ ۱۱۷۸ھ برآمد ہوتے ہیں۔
کتابت کی غلطی نے ۱۱۷۸ھ کو ۱۱۷۶ھ بنادیا۔ مصنف تحقیقاتِ چشتی
(صفحہ ۱۵۲ پر) لکھتے ہیں کہ حضرت کی وفات کو آج ایک سو چار سال کا عرصہ
گذر چکا ہے۔ مصنف نے اپنی یہ کتاب ۱۲۸۲ھ میں تصنیف کی ہے۔
۱۲۸۲ھ میں سے ۱۰۴ سال منہا کرنے کے بعد ۱۱۷۸ھ برآمد ہوتے ہیں[1]
اور در اصل یہی حضرت شاہ محمد غوثؒ کا سال وفات ہے۔ منشی محمد دین فوق مرحوم نے بھی
اپنی کتاب یادِ رفتگاں میں آپ کا سنہ وفات ۱۱۷۸ھ درج کیا ہے۔ پھر اس معاملے کو ایک اور پہلو
سے دیکھنے کے بعد بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کا سنہ وفات ۱۱۷۶ھ صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح وہی
۱۱۷۸ھ ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ ۱۱۷۷ھ اور وہ پہلو یہ ہے کہ تحقیقاتِ چشتی کے مصنف لکھتے ہیں کہ
"اب جہاں حضرت کی قبر ہے یہاں سابقہ حویلی فدائی خاں کوکہ عالمگیری تھی"[2] اب ذرا دیکھئے کہ
فدائی خاں کون تھا اور اس کا انتقال کب ہوا۔

فدائی خاں

"اس کا اصل نام مظفر حسین تھا۔ دورِ شاہجہانی میں اس نے عروج
حاصل کرنا شروع کیا۔ سنہ ۲۳ جلوس میں شاہجہاں نے اس کو فدائی خاں کا
خطاب عطا کیا۔ عالمگیر کے زمانے میں کوکلتاش (کوکہ) ہونے کی وجہ سے

۱؎ نقوش لاہور نمبر صفحہ ۳۶۶ ۲؎ تاریخ لطیف نے بھی یہی لکھا ہے کہ جہاں حضرت شاہ محمد غوث کا مزار ہے وہاں کسی
زمانے میں فدائی خاں کی حویلی تھی۔ ملاحظہ ہو ہسٹری آف لاہور صفحہ ...

اس کا ستارۂ اقبال اور بھی چمکا۔ پھر دارا شکوہ اور سلیمان شکوہ کی مہم پر عالمگیر نے
اسے بھیجا۔ سنہ ۱۳ جلوس عالمگیری میں وہ لاہور کا گورنر ہوا۔ اسی کے زیر اہتمام
۱۰۸۴ھ میں لاہور کی شاہی مسجد تعمیر ہوئی تھی۔ سنہ ۲۰ جلوس عالمگیری میں
بنگال کا اور سنہ ۲۱ جلوس عالمگیری میں بہار کا گورنر مقرر ہوا اور یہیں ۹
ربیع الاول ۱۰۸۹ھ کو انتقال کر گیا[1]"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لاہور کے سات سالہ قیام کے دوران فدائی خاں
نے یہاں اپنی ایک عظیم الشان حویلی تعمیر کرائی تھی۔ اس کی وفات ۱۰۸۹ھ
میں ہوئی اور حضرت شاہ محمد غوثؒ کی وفات ۱۱۷۷ھ یا ۱۱۷۸ھ میں۔
یہ کم و بیش ۹۰ سال کا عرصہ سارے ملک خصوصاً پنجاب کے لیے بڑی
تباہی و بربادی کا زمانہ تھا اور سکھوں، مرہٹوں، نادر شاہ اور افغانوں کے
پے درپے حملوں کی وجہ سے لاہور کو زبردست نقصان پہنچا سیکڑوں نہیں
ہزاروں عمارتیں پیوند زمین ہوگئیں۔ انہیں میں یہ عمارت بھی تھی جو حضرت شاہ
محمد غوثؒ کی وفات سے کم و بیش ایک سو سال قبل تعمیر ہوئی تھی مگر آپ کی وفات
سے پہلے یہ منہدم ہو چکی تھی اور یہ جگہ بالکل ویران تھی اس لیے لاہور میں رہائش
اختیار کرنے کے بعد آپ نے اسی جگہ کو اپنی سکونت کے لئے منتخب
کر لیا اور وفات کے بعد آپ یہیں دفن کئے گئے۔ اگر تحقیقاتِ
چشتی کے فاضل مؤلف کے خیال کے مطابق یہ تسلیم کر لیا جائے

۱؎ نقوش لاہور نمبر ۵ ص ۳۶۴

کہ حضرت شاہ محمد غوثؒ کی وفات ۱۱۰۰ھ میں ہوئی تو اس حساب سے اس وقت فدائی خاں کی حویلی کی پہلی اینٹ بھی نہیں رکھی گئی تھی، کیونکہ فدائی خاں ۱۰۸۱ھ کے بعد لاہور آتا ہے۔ یہاں شاہی مسجد تعمیر کراتا ہے اور لاہور کی گورنری کے فرائض اسے تفویض کئے جاتے ہیں اس کا انتقال ۱۰۸۹ھ میں ہوتا ہے۔ اس کی حویلی اس کی موت کے بعد ویران ہو سکتی ہے۔ اور اس کے بعد ہی اس جگہ حضرت شاہ محمد غوثؒ کا مزار تعمیر ہو سکتا ہے۔

اس لحاظ سے ۱۰۸۹ھ (وفات فدائی خاں) سے پہلے تو یہاں حضرت شاہ محمد غوثؒ کے دفن ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر کیونکہ مان لیا جائے کہ آپ ۱۱۰۰ھ میں فوت ہو گئے۔ پھر تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ فدائی خاں کے لاہور سے بنگال جانے کے بعد یہاں جتنے گورنر آئے وہ سب اسی کی حویلی میں مقیم ہوئے۔ گویا اس کی تبدیلی بلکہ وفات کے بہت عرصہ بعد تک یہ حویلی موجود رہی اور اورنگ زیب کے بعد محمد شاہ رنگیلے اور اس کے نالائق جانشینوں کے زمانے میں جب لاہور بربادی کا نشانہ بنا تب یہ حویلی بھی منہدم ہو گئی۔ اس لحاظ سے منشی محمد الدین فوق مرحوم کا یہ خیال مبنی بر حقائق ہے کہ[۱] اس سے صاف ظاہر ہے کہ ۱۰۸۴ھ یا فدائی خاں کی وفات (۱۰۸۹ھ) سے حضرت شاہ محمد غوثؒ کی وفات ۱۱۷۸ھ کے درمیان فدائی خاں کی حویلی جس میں عہدِ مغلیہ کے بعض گورنر

اپنی رہائش بھی رکھتے تھے زوالِ مغلیہ اور نادر شاہی اور احمد شاہی حملوں کی وجہ سے بہت کچھ مٹ چکی ہوگی اور یہیں حضرت نے اپنے ڈیرے ڈال لیے ہوں گے اور یہیں بعد وفات آپ کا مزار بھی بنا۔

اس لحاظ سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ حضرت شاہ محمد غوثؒ کی وفات ۱۱۰۰ھ میں نہیں بلکہ ۱۱۷۷ھ یا ۱۱۷۸ھ میں ہوئی۔

سالِ ولادت کی تحقیق

اب ہم آپ کے سالِ ولادت کے متعلق اپنی ناچیز تحقیق پیش کرتے ہیں۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ[۲] کے اپنے بیان کے مطابق ۱۹ سال کی عمر میں وہ تعلیم سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد اُن کے والد بزرگوار نے انہیں اذکار و اشغال کی اجازت دی۔ وہ چھ[۲] سال تک خالی مکان میں عبادت و ریاضت کرتے رہے۔ اس کے بعد والد گرامی نے انہیں اجازت نامہ عطا فرمایا۔ اس واقع کے چھ[۳] سال بعد آپ کے والد محترم کا انتقال ہو گیا گویا ۱۹ سال پیدائش سے تعلیم کی تکمیل تک کے، ۶ سال عبادت و ریاضت کے اور ۶ سال اجازت نامے کے حصول سے والدِ ماجد کی وفات تک کے۔ یہ سب ملا کر ۳۱ سال ہوئے ہیں۔ اس حساب سے جب آپ کے

---

[۱] نقوش لاہور نمبر صفحہ ۲۶۵ [۲] اسرار الطریقت [۳] اسرار الطریقت صفحہ ۲

والد بزرگوار کا انتقال ہوا تو آپ کی عمر ۱۳ سال کی تھی۔ آپ کے سنہ وفات (۱۱۷۷ھ)[۱]
میں سے ۱۱۱۵ (جو آپ کے والد مرحوم کا سنہ وفات ہے) منہا کر دیئے جائیں
تو معلوم ہو جائے گا کہ آپ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد کتنا عرصہ
زندہ رہے۔ ۱۱۷۷ میں سے ۱۱۱۵ منہا کرنے کے بعد ۶۲ بچتے ہیں۔ گویا آپ
نے اپنے والد کی کے بعد ۶۲ سال اس عالم فانی میں گذارے۔ ۶۲ سال یہ
اور ۱۳ سال پیدائش سے والد گرامی کی وفات تک کے یہ سب ملا کر
۹۳ سال ہوتے ہیں۔ اس حساب سے آپ نے ۹۳ سال کی عمر پائی وفات
۱۱۷۷ھ میں ہوئی۔ چونکہ آپ کی وفات کا صرف سنہ معلوم ہے۔ تاریخ
اور مہینہ معلوم نہیں ہو سکا۔ اسی طرح آپ کے والد ماجد کی وفات کی تاریخ
اور مہینے کا تو علم نہیں صرف سنہ معلوم ہو سکا ہے۔ اس لیے یقین سے
نہیں کہا جا سکتا کہ ان دونوں بزرگوں کی وفات سال کے شروع میں ہوئی
درمیان میں یا آخر میں۔ اس وجہ سے آپ کے سنہ وفات کا قطعی تعین مشکل
ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی ولادت ۱۰۸۴ھ یا ۱۰۸۵ھ کے
درمیان ہوئی۔ ناؔمی صاحب کی تحقیق کے مطابق آپ کا سنہ ولادت ۱۱۰۰ھ
کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

---

[۱] گو حضرت سید حسنؒ پشاوری اور حضرت شاہ محمد غوثؒ کے عرس مقررہ تاریخوں پر ہوتے
ہیں مگر گمان ہے دونوں بزرگوں کی وفات انہیں تاریخوں میں ہوئی تھی؟ اس کا کوئی دستاویزی ثبوت موجود نہیں۔

مزارِ مبارک

مزار مبارک

دہلی دروازے سے اکبری دروازے کی طرف جاتے ہوئے موٹروں کے درمیان ایک خانقاہ واقع ہے جو دکانوں سے گھری ہوئی ہے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو ان دکانوں کے درمیان لبِ سڑک قریب قریب دو دروازے نظر آتے ہیں۔ اندر ایک کشادہ مسجد ہے۔ اس مسجد کے پاس ایک مزار ہے۔ سبز رنگ کا ایک کٹہرا جس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ مزار انہی بزرگ حضرت شاہ محمد غوثؒ کا ہے "تحقیقاتِ چشتی" کے مصنف مولوی نور احمد چشتی مرحوم اپنی کتاب میں اس مزار کی تفصیلات، بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مولوی نور احمد چشتی کا بیان

"مقبرہ شریف آں حضرت (مراد حضرت شاہ محمد غوثؒ) کا بطرف شرق فصیل شرقی شہر لاہور۔ جنوب رویہ دروازہ دہلی و شمالی دروازہ اکبری واقع ہے۔ سابق میں جبکہ یہاں خندق واقع تھی تو یہ مزار بر لبِ خندق تھا

اس مزار کے گرد چار دیواری ہے اور اس چار دیواری کے دو دروازے ہیں۔ ایک شرق رویہ اور ایک جنوب رویہ۔ دروازہ خورد شرق رویہ کے متصل اندر کی طرف جنوب رویہ ایک چاہ چرخ چوب وال موجود ہے اور خانقاہ یعنی مزار کی پائنتی کی طرف ایک حوض دس دس گز مربع واقع ہے جو کچھ عرصے سے بند ہو گیا تھا۔ اب از سر نو میاں غلام نبی کوٹھی دار پشمینہ نے آراستہ کیا اور تالاب ایک مسجد پختہ خشتی گچ کی تعمیر کرائی ہے۔ اس مسجد کے میانہ طاق پر یہ تحریر ہے اوّل سطر بالا میں لا اِلٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ اور دو سطروں میں یہ دو شعر تحریر ہیں

سالِ بنا گفت از روئے دیں　　　مسجد زیبائے غلام نبی

دوسرا شعر یہ ہے ؎

پے تعمیر مسجد گشت تاریخ　　　عبادت خانۂ تاریخ اعلیٰ

مزار کے جنوب رویہ دروازہ کے غرب طرف کبوتر خانہ ہے اور خانقاہ کے غرب رویہ ایک شہ نشیں واقع ہے جس میں بخارچہ اور کوٹھری دالان موجود ہے۔ . . . ایک اور چار دیواری عالیشان تھی وہ ذرا پرانی اور مسمار ہو گئی تھی۔ اب از سر نو میاں غلام نبی صاحب کوٹھی وار نے اس کو تیار کرایا اور دروازہ اس کا جنوب رویہ مع طاق تختہ سبز رنگیں رکھا۔ اس چار دیواری کے اندر ایک اور چبوترہ خشتی چار فٹ اونچا موجود ہے۔ اس کے گرد و نواح سنگ مرمر سفید لگا ہوا ہے اور اس پر چاروں طرف پنجرہ ہائے چوبی لگائے گئے ہیں۔ سرہانے کی

طرف چراغ دان خشتی اور غرب رویہ زیر چبوترہ دالان سہ درہ خشتی زائرین کے بیٹھنے کے لیے بنا ہوا ہے اور ایک کوٹھری خشتی اور مکان چوبی تیل وغیرہ رکھنے کے لیے موجود ہے اور یہ مکان بہت اچھا مصفا و مکلف بنا ہوا ہے۔ اس مقبرہ پر سبز رنگ کا چوبی کٹہرہ جنگلے کے طور پر لگا ہوا ہے اور اندرونی چبوترہ پر چاروں طرف پنجرہ ہائے چوبی لگے ہوئے ہیں۔ دو قبریں ہیں ایک تو خود حضرت کی اور بہ طرف مشرق حضرت کے قبیلہ (اہلیہ) مرحومہ کی اور فرش تمام چونے کا بنا ہوا ہے . . . . اور قبر پر اکثر اوقات غلاف سبز رنگ کا پڑا رہتا ہے اور نیز ایک نشان برنگ سبز یا نیلا قبر پر قائم رہتا ہے اور اندروں چار دیواری کے چاروں کونوں پر چار برجیاں خشتی موجود ہیں اور باہر والی چار دیواری کے اندر تخمیناً ۵ درخت گوندنی و کیکر و پھرواں و بیر وغیرہ موجود ہیں۔ چالیس قبریں سادات وغیرہ کی موجود ہیں۔ حضرت کے مزار کے شرق رویہ تین قبریں ہیں ایک میر غفار صاحب کی اور دوسری ان کے بھائی کی اور ایک خواجہ نقشبندیہ کی موجود ہے۔ یہ صاحب نقشبندیہ کشمیری ہیں اور اکثر لوگ ان کا ادب کرتے ہیں[1]"

مولوی نور احمد چشتی مرحوم کی کتاب "تحقیقات چشتی" ۱۲۸۲ھ میں لکھی گئی۔ اس کے کم و بیش پچاس سال بعد ایک اور مصنف و محقق مولوی محمد الدین فوق مرحوم نے لاہور کے مزارات و باغات پر "مآثر لاہور" کے نام سے دو جلدوں

---

[1] تحقیقات چشتی صفحہ ۱۵۱ تا صفحہ ۱۵۵

میں ایک کتاب کبھی جو ابھی تک غیر مطبوعہ صورت میں تھی اب مولوی محمد عبد اللہ صاحب قریشی نے اسے "نقوش" کے "لاہور نمبر" میں شامل کر دیا ہے۔ فوقؔ مرحوم نے اپنی کتاب میں حضرت شاہ محمد غوثؒ کے مزار کی جو تفاصیل بیان کی ہیں ان میں سے بہت سی وہی ہیں جو مولوی نور احمد صاحب تحقیقات چشتی میں بیان کر چکے تھے کچھ نئی ہیں۔ اس درمیانی عرصے میں مزار اور اس کی ملحقہ مسجد یا صحن میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کا بھی جزوی ذکر اس میں ملتا ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لاہور پر قبضہ کرنے کے بعد جب رنجیت سنگھ نے شہر کے گرد خندق کھدوائی تو حضرت شاہ محمد غوثؒ کا مزار لبِ خندق آگیا۔ انگریزی عہد میں جب یہ خندق بھری گئی تو خندق کی جگہ باغ بنا دیا گیا۔ تحقیقاتِ چشتی کے مؤلف کے بقول یہ دیوان اجودھیا ناتھ کا باغ کہلاتا تھا۔ فوقؔ مرحوم فرماتے ہیں کہ اب باغ کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ اس کے بعد مزار کے اندرونی حصے کا نقشہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فوقؔ مرحوم کا بیان

"شاہ ابو المعالیؒ کے مزار کی طرح یہاں بھی کافی تعداد میں کبوتر رہتے ہیں مزار کی اندرونی چار دیواری کا دروازہ کلاں جنوب اور دروازہ خورد مشرق کی طرف ہے۔ حضرت کا مزار ایک بلند چبوترے پر واقع ہے۔ اس چار دیواری

کے اندر سنگ مرمر کا فرش ہے۔ مزار کے گرد ہشت پہلو پنجرہ سنگ مرمر کا ہے۔ دو مزار ہیں جو مزار کسی قدر بلند ہے وہ آپ کا ہے۔ دوسرا مزار آپ کی اہلیہ محترمہ کا ہے۔ مغرب کی جانب زائرین کے بیٹھنے اور ورود وظائف کے لیے تین دروں والا ایک حجرہ ہے اور شمال کی طرف چار دروں والا دوہرا کمرہ ہے۔ جہاں اکثر لوگ قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتے ہیں۔ مسجد کے پاس سے شمالی جانب ایک تنگ سا راستہ آتا ہے۔ اس کے آگے ایک احاطے میں افغانی شہزادوں کی قبریں ہیں اور دوسرے احاطے میں جو ذرا بلندی پر ہے خان بہادر ڈپٹی برکت علی خاں مرحوم اور ان کے اعزہ کی قبریں ہیں۔ شہزادوں میں ایک قبر سردار احمد علی خاں ولد سردار محمد علی خاں درانی، اولاد امیر شیر علی خاں مرحوم والیٔ افغانستان کی ہے۔ تعویذ قبر پر کلمات اللہ درج ہیں۔ مشرقی جانب یہ اشعار ہیں۔ تین اشعار ذیل میں درج ہیں۔

سفر کرد سردار احمد علی — از این دارِ حادث بہ ملک قدم

ز ابن محمد علی خاں بد است — جدش شیر علی خان والا ہمم

بر آمد بہ فالِ حسن سال حال — کہ احمد علی خاں امیر ارم

ایک قبر سردار ولی محمد خاں خلفِ امیر دوست خاں درانی (وفات ۹ جمادی اوّل سنہ ۱۲۹۹ھ) کی ہے جس پہ آیات کے علاوہ مغرب کی سمت کچھ شعر بھی ہیں۔ ایک قبر سردار محمد اسماعیل خاں خلف سردار محمد امین خاں والیٔ

قندھار ولد امیر دوست محمد خاں مرحوم فرمانروائے افغانستان کی ہے۔ جس پر لکھا ہے۔ "در زمانِ حبس بمقام برج مثمن قلعہ لاہور یوم شنبہ، ۷ صفر ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نظر بندی کی حالت میں وفات پائی تھی۔

مزار سے مشرق کی طرف جہاں کبوتر خانہ ہے عام قبرستان ہے ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء میں یا اس سے قبل بقول صاحب تحقیقاتِ چشتی چوالیس قبریں سادات وغیرہ کی موجود تھیں اور پچاس درخت بیری۔ گوندنی، کیکر وغیرہ کے تھے لیکن اب تو صرف ایک درخت برگد کا موجود ہے۔ برگد کا ایک اور بہت بڑا درخت ہمارے دیکھتے دیکھتے کاٹ دیا گیا۔ اس قبرستان میں عام مردے دفن نہیں ہونے بلکہ خاص خاص لوگوں کو اور وہ بھی بدقت جگہ ملتی ہے۔ پرانی قبروں میں سے چند قبریں موجود ہیں۔ جن میں چار قبریں ایک چھوٹے سے احاطے میں ہیں دو پر نام بھی درج ہیں۔ ایک پر سید محمد شاہ صاحب نقشبندی وفات ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء اور یہ شعر درج ہے ؎

جبریل وفاتش چہ خوش آورد   فردوس بریں است وطن گاہ محمد

دوسری قبر ان کے فرزند خواجہ سید عبدالرحمٰن نقشبندی وفات ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء کی ہے۔ دونوں قبروں کے تعویذ جن پر یہ کتبے درج ہیں مرمریں ہیں۔ اس قبرستان کی چار اور قبریں قابلِ ذکر ہیں۔ ایک قبر شاہزادہ محمد قشمشم رسالدار میجر شاہزادہ سلطان سعد نبیرہ احمد شاہ درانی کی ہے۔ جس پر شاہزادہ سلطان کے بارہ شعر درج ہیں۔

چار حسب ذیل ہیں ؎

محمد قشمشم جوانِ رشید   ز ضربِ تفنگِ عدو شد شہید

بہ ہنگام شب ساعت ہشت بود   کہ در لکھنؤ ہم چو بسمل طپید

بہ تاریخ ہشتم ز ماہِ مئی   ز دنیا بہ سوئے جناں آرمید

یکایک ز ہاتف ندا شد بلند   کہ مغفور شد آں جوانِ سعید

۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ء)

ایک قبر حاجی معراج الدین پھترانوالہ کی والدہ کی اور ایک ان کی اپنی ہے والدہ کی قبر پر سرہانے کی طرف پشت کی جانب یہ شعر ہے ؎

ہو کا عالم ہے وہاں اے قبلہ گاہ تیرے بغیر   ہائے کیا سنسان ہے وہ گھر ترا تیرے قریب

شاملِ حال ہمیشہ ہو عنایت اس کی   تیری تربت پہ برستی رہے رحمت اس کی

سید بہادر شاہ عجائب روزگار (قلمی کتابیں اور فرمانِ شاہی بیچنے والے وفات ۱۳۴۲ھ) اور مولانا محمد اشرف علی امام مسجد شاہ محمد غوثؒ وفات ۱۴ / ۱۲ اگست ۱۹۲۳ء کی قبریں بھی یہیں ہیں۔ ان کے علاوہ خان صاحب مولوی محمد الدین کاشمیری بی۔ اے ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول شیرانوالہ و فیلو پنجاب یونیورسٹی کی قبر بھی اسی جگہ ہے۔ مولانا نہایت ہمدرد ہیڈ ماسٹر اور محکمہ تعلیم پنجاب کے لیے باعث فخر تھے۔ ۱۷ صفر ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۴ جولائی ۱۹۳۰ء کو وفات پائی۔ آپ کے مزار پر اشعار ذیل درج ہیں۔

محمد دین خاں صاحب ثنا خواں   قدم بکشا و بر آوازِ رضواں

چو بودہ رکن دار العلوم پنجاب
رسانیدے بہ ملک خویش فیضاں

محمد دیں پئے دینِ محمد
نمودہ جان و دل ہر وقت قرباں

حلیم الطبع، صالح، نیک کردار
بجان و دل بہی خواہِ عزیزاں

تعجب نیست کز دردِ جگر مرد
کہ عمرے بود ہمدردِ مسلماں

خدایا اجرِ اعمالش عطا کن
بفردوسِ بریں دارِیش مہماں

رقم زد کلکِ ہاتف سالِ رحلت
رضی اللہ عنہ عبدِ یزداں
۱۳۴۹ھ

ان کے علاوہ اور بھی چند اشعار ہیں.

خان بہادر چوہدری رحمت اللہ خاں لاہور شہر کے نیک نام اور ہر دلعزیز کوتوال تھے، ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ مطابق ۴ مئی ۱۹۱۴ء کو انتقال فرما گئے

ان کی قبر پر ذیل کے اشعار درج ہیں؎

آہ ناگہ زجام دہر کشید
شربتِ کل من علیہا فان

درِ جنت شتاب بکشادند
رفت یکدم بہ سوئے باغ جناں

تیرگی در جہاں ہویدا شد
رُخ بہ پوشید نیرِ رخشاں

دز سر جہاں گذشت صد افسوس
ہست تاریخ "رحمت اللہ خاں"
۱۳۳۲ھ

احاطۂ شاہ محمد غوثؒ کے بعض اصحابِ قبور

حضرت شاہ محمد غوثؒ کے مزار کو ایک خاص شانِ امتیاز حاصل ہے

---

[1] منقول از نقوش لاہور نمبر ص ۳۶۵-۳۶۶

اور دہ یہ کہ اس کے قریب و جوار میں بعض بڑی بڑی شخصیتیں مدفون ہیں۔ جن میں شہزادے۔ علمائے دین، سیاسی کارکن، ادبا، حکما اور معلم غرض زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی عظیم شخصیتیں آسودۂ خواب ہیں۔ ان میں سے بعض کا اجمالی تذکرہ منشی محمد الدین فوق مرحوم نے اپنی کتاب "مآثر لاہور" میں کیا ہے جن کے اقتباسات گذشتہ صفحات میں درج کئے جا چکے ہیں بعض شخصیتوں کا تذکرہ قدرے تفصیل سے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

آغا سید تجمل حسین شاہ

آغا صاحب حضرت شاہ محمد غوثؒ کے سجادہ نشین تھے۔ والد کا اسم گرامی آغا سید سکندر شاہ تھا۔ ۱۸۹۱ء میں بمقام پشاور پیدا ہوئے۔ پشاور ہی میں تعلیم حاصل کی۔ فقہ، منطق اور فلسفہ مولانا مفتی محمد حسن صاحب المعروف حافظ دراز صاحب سے پڑھا۔ حدیث کا درس مولانا محمد ایوب صاحب اور مولانا عبد القادر صاحب سے لیا۔ تفسیر مولانا حافظ میاں محمد عثمان صاحب سے پڑھی۔ آغا سید تجمل حسین شاہ صاحب مرحوم صاحب علم و فضل ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کے خوشنویس بھی تھے اور اس فن میں مشہور خطاط پیر گوہر علی شاہ صاحب کے شاگرد تھے۔ آپ نے خلافت اپنے والد گرامی آغا سکندر شاہ صاحب سے حاصل کی۔ سماع سے خاص شغف تھا کتب

بینی اور خصوصاً دینی کتب کا مطالعہ آپ کا سب سے محبوب مشغلہ تھا۔
نہایت عبادت گذار اور پرہیزگار انسان تھے۔ بہت خوبصورت جامہ زیب
اور وقار و تمکنت کا پیکر تھے۔ علما اور سجادہ نشینوں سے ملنے کا بہت شوق تھا۔
چنانچہ اس مقصد کے لیے سابق سرحد۔ سابق پنجاب، دلی اور یوپی تک سفر
کیا اور اپنے عہد کی بڑی بڑی دینی شخصیتوں سے ملاقات کی۔ ان شخصیتوں
میں سید وارث حسن صاحب چشتی صابری، لکھنوی جناب مجذوب گوالیاری
خواجہ محمد قاسم صاحب سجادہ نشین موڑہ شریف اور پیر حیدر شاہ صاحب
جلال پوری کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

آغا صاحب کے بکثرت مرید تھے جو سابق صوبۂ سرحد کے علاوہ لاہور
چونیاں، قصور اور دوسرے اضلاع میں پھیلے ہوئے تھے۔ آپ مسلک کے
اعتبار سے توحید وجودی کے قائل تھے۔ طبیعت پر سوز و گداز کا غلبہ رہتا تھا۔
انتقال سے ۹ ماہ قبل حالتِ جذب طاری ہوگئی تھی۔ علالت کا آغاز لاہور کی
تحصیل چونیاں میں ہوا جہاں آپ اپنے مریدوں کی دعوت پر تشریف لے
گئے تھے جب حالت زیادہ خراب ہوئی تو آپ کو علاج کی غرض سے لاہور لایا
گیا۔ یہیں ۱۲ یا ۱۳ اگست ۱۹[illegible]۱ء کو فوت ہوگئے اور حضرت شاہ محمد غوثؒ
کے مزار کے قریب دفن کئے گئے۔ سابق پنجاب کے گورنر سردار عبدالرب
نشتر آپ کے مرید تھے۔ آغا صاحب کی وفات کے بعد آپ ہی نے

قطعۂ تاریخ کہا جو لوحِ مزار پر کندہ ہے۔

تاریخ وفات حسرت آیات

چوں تجمل حسین آقائیم
پیکرِ فقر و مخزنِ عرفاں
جانِ شیریں بحق سپرد آں روز
بود شنبہ و بست یک رمضاں
گفت تاریخ رحلتش نشتر
مشعلِ معرفت دلِ ایماں
۱۳۶۶ھ

(سردار عبدالرب نشتر مرحوم سابق گورنر پنجاب)

خان بہادر ڈپٹی برکت علی خاں

آپ شاہجہان پور کے رہنے والے تھے اور وہیں ۱۸۲۱ء میں پیدا ہوئے
والد کا نام محمد عارف خاں تھا۔ ان کے آباد اجداد شاہجہان بادشاہ کے
زمانے میں افغانستان سے آکر شاہجہانپور میں آباد ہو گئے تھے اور بڑے

بڑے عہدوں پر سرفراز ہوئے۔ محمد برکت علی خان جوانی ہی میں پنجاب آگئے اور پنجاب ملٹری پولیس میں ملازمت کرلی۔ ۱۸۵۷ء میں جب انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند ہوا تو برکت علی خاں ملٹری پولیس میں رسالدار کے منصب پر فائز تھے۔ آپ سرسید احمد خاں کے گروپ سے تعلق رکھتے تھے اور سرسید ہی کی طرح ان کا خیال تھا کہ اس جنگ میں مسلمانوں کا انگریزوں کے خلاف لڑنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی کامیابی کے امکانات معدوم ہیں۔ چنانچہ اسی خیال کے پیش نظر انہوں نے اس تحریک میں حصہ نہیں لیا اور اپنے امکان بھر انگریزوں کی امداد کی۔ اس امداد کے صلے میں انہیں خطابات اور جاگیریں عطا ہوئیں۔ ۱۸۸۰ء میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدے سے ریٹائر ہونے کے بعد انہوں نے اپنی ساری توجہ مسلمانوں کی سماجی اور تعلیمی فلاح و بہبود پر مرکوز کردی۔ دوران ملازمت ہی میں انہوں نے "انجمن اسلامیہ پنجاب" کے نام سے ایک انجمن کی بنا ڈالی۔ یہ انجمن بمقام لاہور ۱۸۶۹ء میں قائم ہوئی۔ ڈپٹی برکت علی خان نے، شاہی مسجد، سنہری مسجد، مسجد گمٹی بازار، مسجد ٹکسالی دروازہ اور ان کی ملحقہ دکانیں ان تھک جدوجہد سے واگذار کرائیں اور ان مساجد کی حالت کو بہتر بنایا۔ وہ سرسید کے بہت بڑے رفیق اور پنجاب میں ان کا ایک مضبوط بازو تھے۔ جب سرسید پہلی بار ایک وفد کے ہمراہ علی گڑھ کالج کے لیے چندہ جمع کرنے کی غرض سے پنجاب آئے تو برکت علی خاں نے نہایت

جاں فشانی، شوق، مستعدی اور اخلاص کے ساتھ سرسید کی امداد و اعانت کی۔ انہوں نے پنجاب اور خصوصاً لاہور میں مسلمانوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کی بڑی جدوجہد کی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ "سرسید پنجاب" کے نام سے مشہور ہیں۔ ڈپٹی برکت علی خاں مرحوم کو ان کی زندگی ہی میں بڑی عزت اور مقبولیت حاصل تھی وہ لاہور میونسپل کمیٹی کے وائس چیرمین، پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی تھے۔ ۱۹۰۵ء میں وفات پائی اور حضرت شاہ محمد غوثؒ کے احاطۂ مزار میں دفن کئے گئے۔ ان کی یادگار کے طور پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور لاہور میں "برکت علی محمڈن ہال" تعمیر کئے گئے سرسید نے ان کے نام بہت سے خطوط لکھے مگر افسوس کہ وہ سب ضائع ہوگئے۔ مشہور مصنف شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی نے مکتوبات سرسید میں ڈپٹی برکت علی خاں کے نام سرسید احمد خاں کا ایک خط درج کیا ہے جو موصوف نے بڑی تلاش کے بعد حاصل کیا ہے اس خط سے پہلے شیخ صاحب نے ایک نوٹ لکھا ہے۔ جس میں فرماتے ہیں کہ "یہ خط جس کا صرف ایک حصہ ملا ہے سرسید نے علی گڑھ سے اس وقت لکھا تھا۔ جب وہ دوسری بار (۱۸۸۴ء میں) پنجاب کو مدرسہ کے متعلق چندہ جمع کرنے کے ارادے سے جانے والے تھے۔ سرسید کا قاعدہ تھا کہ جو اصحاب یا معززین ان کی دعوت کرنا چاہتے تھے وہ ان سے کہا کرتے تھے کہ "جو کچھ آپ میری

دعوت میں خرچ کرنا چاہتے ہیں وہ مجھے نقد دیدیں بس دعوت ہو گئی" اور اس طرح تمام وصول شدہ روپیہ کالج کے چندہ میں جمع کر دیتے تھے۔ چنانچہ حسب عادت اس خط میں بھی خان بہادر مذکور سے اس امر کی خواہش کرتے ہیں کہ میرے لاہور آنے پر جو کچھ تم نے اور دیگر دوستوں نے میری دعوت کے لیے رکھا ہو وہ سب مجھے نقد دے دینا۔ (محمد اسماعیل)

اس نوٹ کے بعد سرسید کا وہ خط نقل کیا گیا ہے جو انہوں نے خان بہادر ڈپٹی برکت خان کے نام لکھا تھا۔ خط درج ذیل ہے۔

"۔ ۔ ۔ ۔ آپ سے اور سب دوستوں سے درخواست ہے کہ جو کچھ آپ یا اور احباب میری مہمان داری میں صرف کرنا چاہیں ازراہِ عنایت اس کی لاگت نقد عنایت فرمائیں۔ میں نے اکثر دوستوں سے اسی طرح دعوت کے بدلے نقد روپیہ لیا ہے اور اس کو کالج کے چندہ میں جمع کر دیا ہے۔ اس میں خوبی یہ ہے کہ امیر اور غریب سب دعوت کر سکتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک دوست نے مجھے دعوت کی بابت ایک روپیہ عنایت کیا۔ میں نہایت خوش ہوا کہ مدرسۃ العلوم کے کئی مزدوروں کی مزدوری ملی۔ وہ دوست بھی خوش ہوئے کہ دعوت ٹھکانے لگی۔ آپ جانتے ہیں میرے ساتھ چند دوست بھی ہوں گے۔ پس اگر یہ طریقہ دعوت کا اختیار نہ کیا جائے گا تو جن کے ہاں ٹھہروں گا ان پر خرچ کثیر پڑ جائے گا اور وہی مثل ہو گی "گدھے کا کھلایا کھیت جس کا باپ

نہ پُن"[1]

میاں فیروز الدین

احاطۂ حضرت شاہ محمد غوثؒ میں مدفون شخصیتوں میں سے تیسری بڑی اور قابلِ ذکر شخصیت میاں فیروز الدین احمد کی ہے یہ وہ مشہور قومی کارکن اور نڈر سپاہی تھے۔ بچپن سے وفات تک مسلمانوں کی خاطر لڑتے اور ہر آڑے وقت میں ان کے کام آتے رہے۔ وہ تحریکِ خلافت کے زمانے میں علی برادراں کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ایک رضا کار کی حیثیت سے میدانِ عمل میں اس وقت کود پڑے جب ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے۔ علماء نے فوج اور پولیس کی نوکری کو حرام قرار دیا تو وہ نہایت جرأت اور بے باکی سے فوجی چھاؤنی میں فتوے تقسیم کرنے چلے گئے اور بغاوت پھیلانے کے جرم میں قید کر دیے گئے

۱۹۲۱ء میں ان کو پنجاب خلافت کمیٹی کا سیکرٹری اور آل انڈیا خلافت ورکنگ کمیٹی کا رکن، منتخب کیا گیا۔ لاہور کے بریڈلا ہال میں جمعیتہ العلمائے ہند کانفرنس ہوئی تو مولانا ابوالکلام آزاد نے میاں فیروز الدین احمد کو مولانا محمد علی رجمنٹ کے نام سے رضا کاروں کی ایک جمعیت مرتب کرنے اور اجلاس کو

---

[1] مکتوبات سرسید صفحہ ۲۳۸ مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی۔ ڈپٹی برکت علی خاں مرحوم کی زندگی کے حالات بھی شیخ صاحب کے مرتب کردہ اسی مجموعۂ مکاتیب سے ماخوذ ہیں۔ (مؤلف)

کامیاب بنانے کا پہلا انعامی تمغا عطا کیا۔

۱۹۲۸ء میں علی برادران نے ان کو خلافت اور کانگرس کے مشترکہ اجلاس کلکتہ کو کامیاب بنانے کے لیے لاہور سے مدعو کیا۔ نہرو رپورٹ کے خلاف انہوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ لاہور میں چھپن فیصدی حقوق کا مطالبہ شروع کیا اور آخر نہرو رپورٹ کو دریائے راوی میں غرق کر کے چھوڑا۔ لکھنؤ قیصر باغ کی آل انڈیا یونٹی کانفرنس میں وہ مولانا ظفر علی خاں کے ساتھ پنجاب کی طرف سے شریک ہوئے۔

شہید گنج کی تحریک میں بھی وہ پیش پیش تھے۔ باغ بیرون موچی دروازہ کے پبلک جلسوں میں آپ نے سر ہربرٹ ایمرسن گورنر پنجاب کو ان کی سکھ دوستی کی وجہ سے "سر امر سنگھ" کا خطاب دیا اور اس سلسلے میں جیل بھیج دیے گئے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک متحدہ پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے "مجلس اتحادِ ملت" کی بنیاد رکھی۔ یہ مجلس انگریزی حکومت کی اس حکمت عملی کا جواب تھی کہ "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو"۔ یہ ہندوؤں کے لئے بھی ایک زبردست ہوا تھی۔

جب قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ میں نئی روح پھونکنے کی مہم چلائی تو لکھنؤ کے اجلاس میں میاں فیروزالدین احمد نے پہلی دفعہ "قائداعظم محمد علی جناح" کا نعرہ لگایا جسے سب نے پسند کیا اور محمد علی جناح کی منظوری

سے یہ خطاب اُن کے نام کا جزو بنا دیا گیا۔ اسی بنا پر میاں فیروزالدین احمد کو نقیب ملت کہا جاتا تھا مگر ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو ملت کے اس نقیب کی آواز ہمیشہ کے لیے بند ہو گئی۔"[1]

سید بہادر شاہ عجائب روزگار

حضرت شاہ محمد غوثؒ کے مزار کے قریب جو مدفون بزرگوں میں سے سید بہادر شاہ کی شخصیت بھی قابل ذکر ہے۔ سید بہادر شاہ حضرت شاہ جمال سہروردی کے سجادہ اور بڑے زندہ دل پیر مرد تھے۔ اسی زندہ دلی کی وجہ سے انہیں عجائبِ روزگار کہتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ان کے اس خطاب (عجائبِ روزگار) کی وجہ یہ ہے کہ وہ نادر کتابیں اور شاہی فرامین فروخت کیا کرتے تھے اس لیے عجائبِ روزگار کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

ان کی خوش طبعی کی اس سے زیادہ اچھی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ نے انتقال سے پہلے وصیت کی کہ مجھے غسل دیں حضراتِ شیعہ کے طریق کے مطابق جو خوب صفائی کرتے ہیں۔ جنازہ اٹھائیں سُنّی جو بڑے آرام اور احتیاط سے چلتے ہیں اور دفنائیں گوروں کے پُر بہار گورستان میں جہاں خوبصورت میمیں آکر پھول چڑھائیں اور مُردوں کی ارواح کو خوش کرتی ہیں نہ کہ مسلمانوں

---

[1] تتمہ مضمون شاہ محمد غوثؒ از مولوی محمد عبداللہ قریشی مطبوعہ نقوش "لاہور نمبر" ص۲۶۸

کے قبرستان میں جہاں گدھے لوٹتے ہیں اور قبریں پامال ہوتی ہیں۔ گوروں کے قبرستان میں دفن ہونے کے لیے پیر بہادر نے روم تک چٹھیاں لکھیں مگر اجازت ملنی تھی نہ ملی۔[1]

بہرحال سید بہادر شاہ عجائب روزگار کی قبر گوروں کے قبرستان میں تو نہ بنی مگر ان کی یہ آرزو ضرور پوری ہو گئی کہ انہیں کسی ایسے قبرستان میں دفن نہیں کیا گیا۔ جہاں گدھے لوٹتے ہیں اور قبریں پامال ہوتی ہیں، بلکہ ایک ایسے بزرگ کے جوار میں جگہ ملی جہاں انوار کی بارش ہوتی اور شب و روز رونق رہتی ہے۔

سید بہادر شاہ کی قبر کے تعویز پر جو تاریخ کندہ ہے۔ اس کا مصرعہ تاریخ یہ ہے۔ ع۔

گلشنِ فردوس میں سید بہادر شاہ گئے

اس مصرعہ سے ان کی تاریخِ وفات ۱۳۴۲ھ نکلتی ہے۔

مولوی سلطان محمد

احاطہ شاہ محمد غوثؒ میں مدفون شخصیتوں میں سے مولوی سلطان محمد صاحب کی شخصیت بھی بڑی دلچسپ اور قابلِ ذکر ہے۔ ان کے والد گرامی کا نام

---

[1] سوانح حیات حضرت شاہ محمد غوثؒ صفحہ ۶۹ مؤلفہ پیر غلام دستگیر نامی

شیخ نور الدین صدیقی تھا۔ مولوی صاحب دینی علوم پر اچھی نظر رکھتے تھے۔ طب کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ پرنٹنگ کی بھی تربیت بھی حاصل کی تھی۔ اسی سلسلے میں ایک بار نوشہرہ تشریف لے گئے۔ نوشہرہ کے دوران قیام میں وہاں کے مسلمانوں کی کس پرسی اور سیاسی پس ماندگی دیکھ کر ان کا دل بھر آیا اور انگریزوں سے انہیں نفرت پیدا ہو گئی۔ اسی زمانے میں سرحد پار کے آزاد قبائل انگریزوں سے برسرِ پیکار تھے۔ ان میں سے بعض قبائلیوں سے مولوی صاحب کی ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات نے انہیں ایک نیا عزم اور ولولہ دیا۔ انہوں نے لاہور واپس آ کر اپنا پریس قائم کیا اور خفیہ طور پر نوٹ چھاپ چھاپ کر نقدی اور سامانِ رسد کی صورت میں قبائلیوں کی امداد کرنے لگے۔ اس سلسلے میں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ ان جعلی نوٹوں کو انہوں نے اپنی ذات پر قطعاً خرچ نہیں کیا۔ آخر کار مولوی صاحب کا یہ راز فاش ہو گیا اور ایک شخص کی مخبری سے وہ گرفتار کر لے گئے۔ مقدمہ چلا اور چودہ سال کی سزا ہو گئی۔ مولوی صاحب سیاسی کارکن اور طباعت کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ طب بھی بڑی اچھی جانتے تھے ـــــ شیرانوالہ دروازہ لاہور میں اُن کا مطب تھا۔ انہیں تالیف و تصنیف کا بھی شوق تھا۔ چنانچہ "نمازِ سلطانی" اور "احکام اسلام" دونوں کتابیں مولوی صاحب ہی کی تصنیف ہیں ـــــ مرحوم نہایت

اچھے خطیب بھی تھے۔ مسجد شاہ محمد غوثؒ میں ہر جمعہ کو خطبہ دیتے تھے۔
اور امامت کراتے تھے۔ انہیں مسلمانوں کی دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کا
خاص خیال رہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے لاہور اور نوشہرہ میں
دو دینی مدارس بھی قائم کیے جو آج تک مسلمان بچوں کی دینی تعلیم کا فریضہ نہایت
خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ ان مدارس کے نام یہ ہیں "مدرسہ
تعلیم الاسلام" نوشہرہ اور "مدرستہ القرآن جامعہ قادریہ سلطانیہ" (ریٹی گن روڈ
لاہور) کم و بیش اسّی (۸۰) سال کی عمر پا کر ۱۷ جنوری ۱۹۵۲ء مطابق ۱۱ جمادی الاول
۱۳۷۳ھ کو مولوی سلطان محمد صاحب کا انتقال ہو گیا[۱]۔

محمد بشیر علی خاں

اسی احاطے میں سنگ مرمر کی ایک قبر محمد بشیر علی خاں کی ہے۔ یہ بھی لاہور
کی ایک ممتاز اور نامور رئیس تھے۔ شاہجہاں پور کے افاغنہ سے تعلق رکھتے
تھے اور وہیں ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئے۔ مشہور قومی کارکن اور سر سید کے
رفیقِ خاص ڈپٹی محمد برکت علی خاں کے فرزند تھے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور
نہایت روشن خیال بزرگ تھے۔ عرصۂ دراز تک کوئٹہ میں منصف اور
عدالتِ خفیفہ کے جج کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ پنشن

---

[۱] "انگریزی عہد کے اطبا" مطبوعہ نقوش لاہور نمبر ص ۲۵۳ از حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری

کے بعد بھی اعزازی طور پر مجسٹریٹ درجۂ اول اور سول جج رہے۔ آپ کو
مسلمانوں کی تعلیم سے خاص دلچسپی تھی۔ تعلیمی و رفاہی انجمنوں کے سرپرست اور
رکنِ رکین تھے۔ پنجاب ایسوسی ایشن کلب اور انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے
علاوہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی لوکل سب کمیٹی کے بھی ممبر تھے۔ عرصۂ دراز
تک انجمن اسلامیہ پنجاب کے سیکرٹری رہے۔ خان بشیر علی خاں لاہور اور
شاہجہاں پور کے رؤسا میں بڑا اونچا درجہ رکھتے تھے۔ ان کا دسترخوان بڑا
وسیع تھا۔ نہایت خوش خلق اور عالی ظرف انسان تھے۔ ان کی وسیع و عریض
جائیداد پنجاب اور شاہجہاں پور میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس جائیداد
سے وہ مسلمانوں کی رفاہی خدمات انجام دیتے اور امکانی حد تک انہیں
فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔ ۶۳ سال کی عمر پا کر ۱۹۲۱ء میں بمقام
لاہور خان صاحب انتقال فرما گئے۔

خان بہادر خواجہ حبیب اللہ (او بی ای)

احاطۂ شاہ محمد غوثؒ کی مدفون شخصیتوں میں خان بہادر خواجہ حبیب اللہ کا
اسم گرامی بھی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام نامی خواجہ
احمد اللہ تھا۔ ۱۸۹۰ء میں بمقام امرتسر پیدا ہوئے۔ خالصہ کالج امرتسر سے
بی۔ اے پاس کیا۔ ملازمت کا آغاز محکمۂ تعلیم سے کیا اور ہائی اسکول پانی پت

کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد اکونٹس سروس میں چلے گئے اور عرصے تک جونیئر اکونٹنٹ کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے۔ یہاں آپ نے اپنے فرائض کو اس قدر محنت اور دیانت داری سے ادا کیا کہ آپ کو ریلوے کا ڈپٹی ڈائریکٹر مقرر کر دیا گیا۔ پھر آپ ترقی کر کے ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل ریلوے کے منصبِ جلیلہ پر پہنچ گئے۔ بعدہٗ ممبر ٹریفک بورڈ کے عہدے پر فائز ہوئے اور آخر میں حکومت پاکستان کے فنانشل ایڈوائزر مقرر کئے گئے۔ آپ اسی عہدے پر کام کر رہے تھے کہ ہائی بلڈ پریشر کا حملہ ہوا اور ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو ۵۸ سال کی عمر پاکر فوت ہو گئے۔

خان بہادر خواجہ حبیب اللہ صاحب مرحوم نہایت خوش خلق، عالی ظرف اور شریف النفس انسان تھے۔ اپنے فرائض کو نہایت جاں فشانی سے ادا کرتے تھے۔ ان کی اعلیٰ درجے کی خدمات اور فرض شناسی سے متاثر ہو کر حکومت نے انہیں خان بہادر اور او بی ای کے خطابات دیئے۔ اس قدر اعزاز و اکرام سے سرفراز ہونے اور دنیوی لحاظ سے اتنی ترقی کرنے کے باوجود آپ میں تکبر کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ہر شخص سے یکساں محبت اور مہربانی کا سلوک کرتے تھے۔ آپ نے اپنے بعد اپنی دو نرینہ اولادیں یادگار چھوڑیں۔ بڑے صاحبزادے کا نام خواجہ امان اللہ اور چھوٹے کا نام خواجہ حبیب اللہ ہے موخر الذکر ایڈووکیٹ ہیں اور لاہور میں وکالت کرتے ہیں۔

انہدامِ مزار کی کوششیں

اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور اولیا کے لیے بڑی غیرت رکھتا ہے اور جو لوگ ان قدسی نفوس کے درپے آزار ہوتے ہیں انہیں بڑی طرح پکڑتا ہے جب ان کی زندگی میں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس قدر غیرت کا ہوتا ہے تو ان کی وفات کے بعد اگر کوئی ان کے مزارات کی بے حرمتی کرنا یا اُن کی نعشوں کو اکھیڑنا چاہے تو اللہ تعالیٰ کی غیرت اور زیادہ شدت سے جوش میں آتی ہے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ بھی اپنے عہد کے بہت بڑے بزرگ اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں سے تھے یہی وجہ ہے۔ کہ جب بھی آپ کے مزار کو منہدم کرنے کی کوشش کی گئی فوراً غضبِ الٰہی شعلہ زن ہوا۔

آپ کے مزار کو منہدم کرنے کی پہلی کوشش اس وقت کی گئی، جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پوتے کنور نونہال سنگھ نے حکم دیا کہ بیرون شہر لاہور کی صفائی کی جائے اور جس قدر درخت اور مکان ہیں سب گرا دیئے جائیں۔ اس حکم پر مسلمانوں نے بہت کچھ داد فریاد کی۔ درخواستوں پر درخواستیں دیں کہ اس مقدس مزار کی بے حرمتی نہ کی جائے مگر ان کی فریاد بے اثر ثابت ہوئی اور کنور نونہال سنگھ نے اپنا حکم واپس نہ لیا۔ سکھوں کے ایک انگریز

انجینئر مسٹر ڈلاروس اس کام پر مامور کئے گئے۔ انہدامِ مکانات کا آغاز بیرون دہلی دروازے سے ہوا۔ اس کے بعد مسٹر ڈلاروس قلیوں کی ایک جماعت کے ہمراہ حضرت شاہ محمد غوثؒ کی خانقاہ پر پہنچے اور درخت کٹوانے کے بعد بیرونی چبوترہ گرا دیا گیا۔ اگلی صبح کو آپ کے مزار کی چہار دیواری گرائی جانے والی تھی کہ رات کو کنور نونہال سنگھ کے والد مہاراجہ کھڑک سنگھ ابن مہاراجہ رنجیت سنگھ کا انتقال ہو گیا جو اپنے بیٹے نونہال سنگھ اور وزیر راجہ دھیان سنگھ کے ہاتھوں بے دست و پا تھا۔ ایک روایت کے مطابق کھڑک سنگھ کی موت اس کے ناخلف بیٹے کنور نونہال سنگھ کے اشارے سے ہوئی مہاراجہ کھڑک سنگھ کی موت کی وجہ سے تمام سرکاری دفاتر بند ہو گئے۔ اس لیے انہدامِ مزار کا کام بھی رُک گیا۔ شہر کے مسلمان سخت پریشان اور خوفزدہ تھے کہ آج تو یہ خانقاہ بچ رہی ہے لیکن کل کو ضرور گرائی جائے گی۔ مگر اللہ تعالےٰ نے عرش پر کچھ اور فیصلہ فرما چکا تھا۔ ہوا یہ کہ کنور نونہال سنگھ اور راجہ دھیان سنگھ وزیر مہاراجہ کھڑک سنگھ کی نعش جلا کر روشنائی دروازے سے قلعہ میں داخل ہونے لگے تو ایک بہت بڑا پتھر اور دروازہ کا کچھ حصہ کنور نونہال سنگھ اور راجہ گلاب سنگھ والی جموں و کشمیر کے بیٹے اودھم سنگھ پر گر پڑا۔ یہ دونوں ملبے تلے دب گئے اور آخرکار اسی رات کو دونوں کا انتقال ہو گیا۔[1]

[1] تحقیقاتِ چشتی صد ۱۵۷ و ہسٹری آف لاہور صد ۱۶

حضرت شاہ محمد غوثؒ کے مزار کو منہدم کرنے کی دوسری کوشش برطانوی عہد میں کی گئی۔ تفصیل اس اجمال یہ ہے کہ "اوائلِ حکومتِ انگلشیہ میں ایک صاحب مسٹر بارک گول سڑک (جو مزار مبارک کی پشت کی جانب سے گذرتی ہے) کی پیمائش کر رہے تھے کہ یہ مقبرہ بھی پیمائش میں آگیا اور عنقریب اسے گرانے کی تجویز عملی جامہ پہننے والی تھی کہ مسٹر بارک گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گئے۔ جن بیلداروں کو اس کام پر مامور کیا گیا تھا ان میں سے بھی بعض کو مختلف قسم کے صدمات پہنچے۔ آخر جب لوگوں نے سمجھایا کہ یہ بہت بڑے ولی اللہ کا مزار ہے اس کا گرانا خلافِ مصلحت ہے تو یہ بات مسٹر بارک کی سمجھ میں آگئی اور انہوں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔"[1]

ان دونوں واقعات نے حضرت شاہ محمد غوثؒ کی مقبولیت میں غیر معمولی اضافہ کر دیا اور بکثرت لوگ آپ کی تصرفِ روحانی اور جلالتِ شان کے معترف ہو گئے۔

مزار کی موجودہ صورت

حضرت شاہ محمد غوثؒ کے مزار کی جو صورت آج سے پچیس تیس سال قبل تھی وہی آج بھی ہے اور اس میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ البتہ بعض قبریں جو مصنف تحقیقاتِ چشتی اور منشی محمد الدین فوق مرحوم کے زمانے میں کتبوں سے

[1] اسرار التصوف صد ۱۱۱ مولفہ حکیم احمد علی خان

آراستہ تھیں اب ان سے محروم ہو گئی ہیں۔ مزار کے ساتھ ۲۲ دوکانیں، ۶ مکانات
کارپوریشن کی ایک لائبریری اور مشرقی زبانوں کی ایک درس گاہ السنتہ الشرقیہ
واقع ہے۔ لائبریری اور السنتہ الشرقیہ کے علاوہ باقی عمارتیں مزار کی ملکیت ہیں
اور ان کا کرایہ مزار کے نام پر جمع ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں دو مربع زمین بھی اس
کے نام وقف ہے جس سے خاصی آمدنی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ چھ ہزار روپے
سالانہ کی وہ رقم بھی آمدنی میں شامل ہے جو زائرین بہ طور نذر صندوقچی میں ڈالتے ہیں
۱۹۶۰ء میں یہ مزار بھی دوسرے مزارات کے ساتھ محکمہ اوقاف نے
اپنی تحویل میں لے لیا۔ مزار کے انتظامات اور مذہبی رسوم کی انجام دہی کے لیے
ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا نام "مجلسِ امورِ مذہبیہ" ہے۔ ملک عبدالرحمن
صاحب سابق کونسلر لاہور کارپوریشن اس کے چیئرمین ہیں۔ محکمہ اوقاف
ہر سال دو ہزار روپے عرس کے موقع پر دیتا ہے۔ مزار اور مسجد کی مرمت بھی
محکمہ اوقاف کے ذمہ ہے۔ ملک عبدالرحمن صاحب (چیئرمین مجلس امور
مذہبیہ) نے ایک جامع منصوبہ محکمہ اوقاف کو پیش کیا ہے۔ جس میں مزار مبارک
پر گنبد کی تعمیر اور مسجد کی توسیع شامل ہے۔ یہ منصوبہ محکمہ مذکور کے زیر غور ہے
اگر یہ منظور کر لیا گیا تو مزار کی شان و شوکت میں اضافہ ہو جائے گا اور جمعہ کی نماز
کے موقع پر نمازیوں کو قلتِ گنجائش کی بنا پر جو تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اس
کا بھی ازالہ ہو جائے گا۔ ہمارے خیال میں ضرورت ہے کہ اس کے ساتھ ایک

دینی مدرسہ بھی قائم کیا جائے جس میں صرف چھوٹے بچوں کو قرآن پڑھانے کا
انتظام نہ ہو بلکہ دینیات کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام کیا جائے تاکہ حضرت شاہ محمد
غوثؒ کے مشن کو آگے بڑھایا جا سکے اور ان کی روح خوش ہو۔ مزار کی آمدنی
کو دیکھتے ہوئے یہ اخراجات کچھ زیادہ نہیں ہیں اور بآسانی پورے ہو سکتے ہیں
بلکہ مستحق طلبہ کو اس آمدنی سے وظائف بھی دیئے جا سکتے ہیں۔

سیرت، اولاد اور شجرہ

سیرت، اولاد اور شجرہ

سیرت

حضرت شاہ محمد غوثؒ اس بزرگ اور مستغنی، المزاج باپ کے بیٹے تھے جو بڑے بڑے امرا و سلاطین کی قوت و جبروت کو خاطر میں نہ لاتا تھا اور نہ کبھی زر و جواہر کی خیرہ کن چمک دمک سے متاثر ہوا۔ اس نے بادشاہِ وقت کے عطیات کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا اور اپنی نانِ جویں میں مرغ و ماہی سے زیادہ لذت پاتا رہا۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ بھی ساری عمر اپنے بزرگ باپ کے مسلک پر گامزن رہے۔ وہ غربا و مساکین کے لئے ریشم سے زیادہ نرم مگر معصیت کوش اور متکبر امراء کے لیے فولاد سے زیادہ سخت تھے۔ ان کی مجلس میں زر و جواہر سے تہی دامن مگر دولت ایمان و ایقان سے بہرہ ور افراد بار پاتے تھے مگر ظالم و جابر اور تعیش پسند رئیس زادوں کو وہ جوتیوں میں بیٹھنے کی بھی اجازت نہ دیتے تھے۔ وہ بڑے سے بڑے قاہر و باجبروت بادشاہ کو پرِ کاہ کی برابر بھی وقعت نہ دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے تمام سیرت

نگاروں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب ایران کا بادشاہ نادر شاہ ہندوستان
پر حملہ کرنے کے لیے ایک لشکر جرار لے کر پشاور پہنچا اور اسے معلوم ہوا کہ
لاہور میں شاہ محمد غوثؒ نامی ایک بہت بڑے بزرگ مقیم ہیں تو اس نے خط
لکھ کر آپ کو اپنے حضور طلب کیا۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ اس کی ستم آرائی
سے واقف تھے چنانچہ آپ نے اس کے خط کے جواب میں لکھا کہ فقیروں
کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ وہ دنیاداروں اور بادشاہوں کی بارگاہ میں حاضر ہوا
کریں۔ اگر مجھے بلانے سے تمہارا مطلب کارکشائی ہے تو اس کے لئے
کارسازِ عالم سے رجوع کرو۔[51]

ایک کرامت

نادر شاہ حضرت شاہ محمد غوثؒ کے اس بیباکانہ جواب سے سخت
مشتعل ہوا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ لاہور پہنچ کر اس "گستاخ" فقیر کو سزا دونگا
مگر جب وہ دریائے اٹک کے کنارے پہنچا تو اس قدر شدت کی طغیانی آئی
کہ دریا عبور کرنا ناممکن ہو گیا۔ بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ اس طغیانی کی وجہ
سے اس کی فوج کا بہت بڑا جانی نقصان ہوا۔ اس واقعے سے نادر شاہ بڑا
متاثر ہوا۔ اس نے وہیں توبہ کی اور لاہور پہنچ کر آپ سے معافی مانگی۔[52]

---

۵۱ تحقیقاتِ چشتی
۵۲ تذکرۃ الاصفیا

حضرت شاہ محمد غوثؒ کی سیرت کا دوسرا پہلو طلبِ علم ہے۔ وہ
ابتدائے عمر ہی سے نہایت علم دوست اور علماء کے قدردان تھے تلاش
علم میں انہوں نے سیکڑوں نہیں ہزاروں میل کا سفر کیا اور اس مقصد کے
لیے کابل و قندھار سے دہلی، آگرہ، اجمیر بلکہ عرب تک پہنچے۔ وہ درویشوں، ولیوں اور
عالموں سب سے ملے اور جہاں سے جو کچھ مل سکا انہوں نے حاصل کیا۔
وہ بڑے منکسر المزاج انسان تھے۔ خود جیّد عالم اور صاحبِ خرقۂ خلافت ..
.... ہونے کے باوجود درویشوں اور مجذوبوں کے پیر تک
دبانے میں انہیں عار نہ تھا۔ انہیں ان کی اسی منکسر المزاجی اور جذبۂ خدمت
نے اس مرتبے پر پہنچا دیا کہ آج ہر مسلمان ان کا نام ادب و احترام سے لیتا
ہے اور بڑے بڑے امرا اور حاکم ان کے آستانے پر حاضر ہونا اپنی سعادت
سمجھتے ہیں۔ وہ اخلاق کا پیکر، اخلاص کا مجسمہ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والے
تھے۔ دل کے روشن یقین سے لبریز اور مصائب و آلام میں صبر و شکر کا حیرت
انگیز مظاہرہ کرنے والے۔ وہ اپنے زمانے کے بہت بڑے عبادت گزار،
زاہد اور مرتاض تھے مگر اُن کا طریقہ عام صوفیا کی طرح یہ نہ تھا کہ دنیا سے کلی
طور پر تعلق منقطع کر کے ایک گوشے پر بیٹھ رہیں۔ آپ کی زندگی حرکت و عمل
سے عبارت تھی۔ آپ عبادت بھی کرتے تھے۔ طالبانِ حق کو ہدایت بھی
دیتے تھے اور طلبہ کو تعلیم بھی دیتے تھے۔ اہل و عیال میں بھی وقت گزارتے تھے

اور فقراء کی مجلسوں کو بھی زینت دیتے تھے۔ آپ نے پشاور سے عرب اور عرب سے دہلی اور آگرہ و اجمیر تک سفر کیا اور اس سفر میں بے شمار شہروں اور قصبات میں تشریف لے گئے اور ہر قسم کے ہزاروں ہزار افراد سے ملے مگر ان میں سے کسی کے متعلق کوئی نازیبا بات اپنی زبان سے نہیں نکالی اور نہ مصائب و آلام کے متعلق حرفِ شکوہ زبان پر لائے۔ آپ کی تصنیف "رسالہ غوثیہ" ہمارے سامنے ہے جس میں آپ نے اپنی سیاحت کا حال درج کیا ہے اس کتاب میں ہمیں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے کسی کی اہانت ہوتی ہو بلکہ جس کا ذکر کیا ہے نہایت عزت و احترام سے کیا ہے۔ یہ امر آپ کی وسیع القلبی، عالی ظرفی اور اخلاقِ فاضلہ کی دلیل ہے۔ اپنی "شرح قصیدہ غوثیہ" میں آپ نے اپنے آپ کو ہر جگہ عاجز، کمزور اور بے علم کے الفاظ سے یاد کیا ہے یہ آپ کی عاجزی اور فروتنی کی دلیل ہے اور اس کی توقع ایک ایسے ہی بزرگ سے کی جا سکتی ہے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ کی انہیں خوبیوں اور کمالات نے آپؒ کے عقیدتمندوں کی ایک بہت بڑی جماعت پیدا کر دی، جس میں آپ کی زندگی سے لے کر اب تک برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ سابق پنجاب کے علاوہ دہلی، آگرہ، صوبۂ سرحد اور افغانستان تک آپ کے بے شمار عقیدتمند ہیں۔

غربا نوازی

آپ کے علم و فقر کی شہرت اتنی عام تھی کہ ہر کہہ و مہہ کی زبان پر آپ کی دینی تبلیغ، خدمتِ فقراء، درس اور لنگر کا تذکرہ تھا۔ لوگ جوق در جوق آتے اور حسبِ حال امداد حاصل کر کے جاتے۔ جو تحائف اور ہدایا آتے انہیں آپ فقراء، مساکین، بیواؤں اور یتیموں پر صرف کر دیتے اور مسافر کو زادِ راہ مہیا کرتے۔ اتنے اخراجات کے باوجود آپ کے چہرۂ اقدس پر میل نہیں آتا اور نہ ہی آپ نے کبھی کسی حکمرانِ وقت یا رئیس سے کوئی امداد قبول کی[1]۔

شانِ استغنار

حضرت شاہ محمد غوثؒ کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بڑے مستغنی المزاج بزرگ تھے اور توکل کے بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ اسلامی تاریخ کے بہت بڑے عالم تھے اور آپ کو معلوم تھا کہ زمانۂ ماضی میں ایسے علما گذرے ہیں جنہیں بادشاہوں نے انعام و اکرام سے نواز کر اپنا ممنون کر لیا اور پھر حسبِ ضرورت ان سے اپنی خواہش کے مطابق فتاویٰ لکھوا لیے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ اس نکتے

---

[1] تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ص۱۳

کو سمجھ چکے تھے کہ کسی کا زیرِ بارِ احسان ہونے کے بعد انسان کی آنکھوں میں مروت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اپنے محسن سے اس حد تک مرعوب ہو جاتا ہے کہ اس کی کوئی خواہش پوری کرنے سے دریغ نہیں کرتا اور اس طرح بعض مرتبہ اسے اپنے ضمیر کے خلاف بھی کام کرنا پڑتا ہے۔ گو اس میں کچھ مستثنیات بھی ہیں اور صاحبِ کردار لوگ اپنے محسن کی ہر بات پر آمنا و صدقنا کہنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ لیکن چونکہ اس راستے میں خطرات ہیں اس لیے حضرت شاہ محمد غوثؒ نے اسے اختیار ہی نہیں کیا اور بادشاہوں کے عطایات کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا۔ چنانچہ جب آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تو حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ نے آپ کے نام ایک فرمان لکھ کر بھیجا جس میں درج تھا کہ حضرت سید حسنؒ کے مزار کے نواح میں چالیس جریب زمین سید محمد غوث قادریؒ کو عطا کی جاتی ہے۔ مگر حضرت شاہ محمد غوثؒ نے کمالِ استغنا کا ثبوت دیا اور یہ کہہ کر سند واپس کر دی کہ میں فقیر آدمی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا دروازہ میرے لیے کافی ہے۔ وہی میرا کارساز ہے۔ وہی میرا مولیٰ ہے اور وہ بہت اچھا آقا ہے[1]

اسی طرح ایک بار بادشاہِ وقت نے آپ کی خدمت میں ایک ہزار اشرفیاں بھیجیں مگر یہ خطیر رقم بھی آپ نے قبول نہ کی، بلکہ اس

---

[1] - تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ص ۱۸۱

پیغام کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں واپس بھیج دی کہ یہ حق غربا اور ناداروں کا ہے انہیں میں تقسیم کر دو۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں۔

درس و تبلیغ

حضرت شاہ محمد غوثؒ کی زندگی کے دو ہی بڑے مقصد تھے ایک ترویجِ علمِ دین اور دوسرا تبلیغِ اسلام۔ آپ کی ساری زندگی شاہد ہے کہ آپ نے اپنی عمرِ عزیز کا بڑا حصہ انہیں فرائض کی ادائیگی میں صرف کر دیا۔ درس کا سلسلہ تو آپ نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہی شروع کر دیا تھا۔ مگر چونکہ اس کے بعد آپ کو ریاضت و سیاحت کا فریضہ بھی ادا کرنا تھا اس لیے یہ سلسلہ زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکا۔ البتہ اس کا باقاعدہ آغاز سنہ ۱۱۲۰ھ میں ہوا۔ جب آپ نے اپنے والدِ گرامی قدر کی خانقاہ میں سجادۂ درس آراستہ کیا۔ مگر یہ درس اس رنگ کا نہ تھا جس طرح آج کل نمازِ فجر کے بعد کچھ دیر کے لیے قرآن حکیم کا درس دیا جاتا ہے اور پھر سامعین اٹھ کر اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ بلکہ درحقیقت آپ کی درس گاہ ایک دار العلوم کی حیثیت رکھتی تھی، جس میں بہت سے فضلا طلبہ کو مختلف مضامین پڑھاتے تھے۔ قرآن، حدیث اور طریقت کا درس آپ خود دیتے تھے۔ آپ

کے درس کی اتنی شہرت ہوئی کہ پشاور کے علاوہ سابق صوبۂ سرحد کے متعدد اضلاع، سابق پنجاب اور افغانستان کے دور دراز علاقوں سے طالبانِ علم آکر آپ کے چشمۂ علم سے سیراب ہوتے۔ خانقاہ کے ساتھ آپ نے طلباء کی رہائش کا انتظام بھی کر دیا تھا جسے موجودہ اصطلاح میں ہوسٹل کہنا چاہیے۔ ہوسٹل میں رہنے والے طلبا کو لباس اور خوراک آپ خود مہیا فرماتے تھے۔ عام طلبہ کے علاوہ بڑے بڑے مشائخ اور امراء کے لڑکے بھی آپ کے درس میں شامل ہوتے مگر آپ کسی کے ساتھ ترجیحی سلوک نہ کرتے بلکہ سب ایک ہی صف میں بیٹھتے اور یکساں توجہ حاصل کرتے۔

جہاں تک آپ کی تبلیغی مساعی کا تعلق ہے اس کے دو حصے ہیں اوّل مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنا۔ دوم غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کرنا اس میں شبہ نہیں کہ آپ نے غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کا فرض بھی بڑی جاں فشانی سے ادا کیا۔ چنانچہ اٹک میں ایک ہندو سادھو اپنے کثیر التعداد چیلوں کے ساتھ آپ کی کرامت دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا[۵۰]۔ اسی طرح اثنائے سیاحت میں آپ جن جن مقامات سے گذرے، بہت سے لوگ آپ کے اخلاقِ فاضلہ سے متاثر

---

[۵۰] تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ص۹۰

ہو کر داخلِ اسلام ہو گئے۔

جہاں تک مسلمانوں میں تبلیغ کا تعلق ہے اس فرض کو بھی آپ نے بڑی جاں کاہی سے ادا کیا۔ درس و تدریس سے فارغ ہو کر آپ کچھ دیر آرام کرتے اور پھر طالبانِ حق آپ کی خدمت باریاب کئے جاتے آپ انہیں سنتِ نبوی کی پیروی کرنے کی تلقین فرماتے، تہذیب اور اخلاق کی تعلیم دیتے۔ اس درسِ رشد و ہدایت میں آپ کے مرید بھی شریک ہوتے اور ہر شخص آپ کی مجلس سے کچھ نہ کچھ حاصل کر کے اٹھتا۔ اسی طرح آپ کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا اور آپ کی مساعیٔ جمیلہ سے ہزاروں گم کردہ راہ مسلمان حقیقی مسلمان بن گئے۔

حضرت شاہ محمد غوثؒ کا مسلک

حضرت شاہ محمد غوثؒ قادری سلسلے کے بزرگ تھے لیکن آپؒ ان صوفیا میں سے نہیں تھے جو اپنے آپ کو کسی خاص دائرے میں محدود کر لیتے ہیں۔ آپؒ تصوف اور شریعت کو خانوں میں تقسیم کرنے کے سخت مخالف تھے۔ آپؒ کے مسلک کی بنیاد حضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اس ارشاد پر تھی کہ: اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ حَیْثُ وَجَدَ اَحَقُّ بِھَا یعنی حکمت مومن کی متاعِ گم شدہ ہے۔ وہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ جہاں پائے اسے لے لے۔

آپ کی ساری زندگی اس امر کی شاہد ہے کہ آپ نے ہر مسلک کے لوگوں سے تعلق رکھا۔ آپ ہر اس شخص کے پاس پہنچے جس کے متعلق آپ کو معلوم ہوا کہ اس میں روحانیت کی ذرا سی رمق بھی موجود ہے۔ حتیٰ کہ ان مجذوبوں سے بھی ملے جن کے متعلق خود آپ کا بیان ہے کہ ان لوگوں سے روحانی فیض بہت کم حاصل ہوتا ہے۔

آپ نے قادری، نقشبندی، چشتی اور سہروردی غرض تصوف سے تعلق رکھنے والے ہر سلسلے کے بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ قادری سلسلے سے وابستہ ہوتے ہوئے ایسے بزرگوں سے اجازت بیعت حاصل کی جو چشتیہ اور نقشبندیہ سلسلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ مختصر الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ حضرت شاہ محمد غوثؒ بہت وسیع المشرب بزرگ تھے اور آپ کی زندگی کا ایک بڑا مشن یہ بھی تھا کہ صوفیا کے درمیان طبقاتی کشمکش کی جو خلیج حائل ہے اسے جتنی جلد ممکن ہو پُر کر دیا جائے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو حضرت شاہ محمد غوثؒ کا تصوف اور صوفیا پر یہ بہت بڑا احسان ہے۔

اولاد

باوجود تلاش بسیار معلوم نہیں ہو سکا کہ حضرت شاہ محمد غوثؒ نے

لہ اسرار التصوف ص۱۱۱ مولفہ حکیم احمد علی خاں مرحوم

کتنی شادیاں کیں۔ صرف ایک بیوی کا ذکر ملتا ہے جو آج آپ کے پہلو میں محوِ خواب ہیں۔ جہاں تک اولاد کا تعلق ہے بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے چار فرزند تھے۔ (۱) سید میر محمد عابد شاہؒ۔ (۲) سید میر شاکر شاہؒ۔ (۳) سید شاہ میرؒ۔ (۴) سید میر باقر شاہؒ۔ ان میں سے میر شاکر شاہؒ اپنے والد ماجد کی طرح بڑے صاحبِ علم و فضل اور متقی و پرہیزگار بزرگ تھے۔ ان کا مزار جلال پور (گجرات) سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ راستہ دشوار گذار پہاڑیوں میں سے ہو کر جاتا ہے مزار ایک پہاڑی پر ہے جو زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔[1]

سید میراں شاکر شاہ کے روحانی مرتبہ کا اندازہ کرنے کے لیے یہ امر کافی ہے کہ مشہور بزرگ پیر جمعہ شاہ جلال پوریؒ نے اپنے فرزند پیر حیدر شاہ جلال پوری کو انتقال سے پہلے وصیت فرمائی کہ:۔

(۱) کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ جانے دینا۔

(۲) بڑوں کا ادب ہمیشہ ملحوظ رکھنا اور چھوٹوں کے ساتھ محبت سے پیش آنا۔

(۳) اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی کا اصولِ زریں یاد رکھنا۔

(۴) اور خاص وصیت یہ ہے کہ فیضِ باطنی حاصل کرنے کے لیئے

لہ ذکر حبیب ص۲۵ (حاشیہ) از ملک محمد الدین ایڈیٹر رسالہ "صوفی" پنڈی بہاؤ الدین۔

سید میراں شاکر شاہ کی درگاہِ ہدایت پناہ میں روزانہ حاضری دیا کرنا۔ یہ بڑے کام کی بات ہے اگر اس پر عمل کرتے ہو گے تو فیوض ظاہری و باطنی سے ہمیشہ سرفراز و مالا مال رہو گے۔[1]

شجرہ ہائے نسب و طریقت

حضرت شاہ محمد غوثؒ کو کئی فضیلتیں حاصل ہیں۔ پہلی فضیلت یہ کہ آپ کے آبا و اجداد میں جتنے بزرگ گذرے ہیں وہ سب ولی تھے۔ دوم آپ اپنے والد کی طرف سے بھی سید تھے اور والدہ کی طرف سے بھی۔ سوم آپ اپنے والد کی طرف سے بھی روحانی سلسلے سے وابستہ تھے اور والدہ کی طرف سے بھی (کہ جن کے بھائی سید عباسؒ) بڑے پائے کے بزرگ اور جید عالم تھے) چہارم آپ نسب طریقت ہی کے لحاظ سے قادری نہ تھے۔ بلکہ آپ کا شجرۂ نسب چند واسطوں سے حضرت سید عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے۔ پہلے آپ کا شجرہ پدری درج کیا جاتا ہے۔

شجرۂ پدری

حضرت سید محمد غوثؒ ابن سید حسنؒ، ابن سید عبداللہؒ، ابن سید محمودؒ

[1] ذکر حبیب" مولفہ ایڈیٹر رسالہ صوفی صد ۲۵

ابن سید عبدالقادرؒ، ابن سید عبدالباسطؒ، ابن سید حسینؒ، ابن سید احمدؒ، ابن سید شرف الدین قاسمؒ، ابن سید شرف الدینؒ یحییٰ، ابن سید بدرالدین حسنؒ ابن سید علاؤالدین علیؒ، ابن سید شمس الدینؒ محمد، ابن سید شرف الدین یحییٰ بزرگؒ، ابن سید شہاب الدین احمدؒ، ابن سید ابوصالح نصرؒ، ابن سید عبدالرزاقؒ، ابن حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ، ابن سید ابوصالح موسیٰ جنگی دوستؒ، ابن سید عبداللہ جبلیؒ، ابن سید یحییٰ زاہدؒ۔ ابن سید شمس الدینؒ محمد زکریاؒ، ابن سید ابوبکر داؤدؒ، ابن سید موسیٰ ثانیؒ، ابن سید عبداللہ صالحؒ، ابن سید موسیٰ الجونؒ، ابن سید عبداللہ المحضؒ، ابن سید حسن مثنیٰؒ ابن حضرت امام حسنؓ مجتبیٰ، ابن سیدنا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

شجرۂ مادری

جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت شاہ محمد غوثؒ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ کے دادھیال کی طرح آپ کے ننھیال میں بھی بڑے پائے کے بزرگ گذرے ہیں۔ آپ کے حقیقی ماموں حضرت سید عباسؒ نہایت متقی و پرہیزگار، صاحب علم و فضل اور اہل اللہ میں سے

[1] رسالہ غوثیہ فارسی قلمی صفحہ ۱۰۹ تا صفحہ ۱۱۰

تھے اور آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت امام زین العابدین
سے جا ملتا ہے۔ ذیل میں حضرت شاہ محمد غوثؒ کا شجرۂ مادری درج کیا
جاتا ہے۔

والدہ حضرت شاہ محمد غوثؒ بیٹی تھیں حضرت سید جمالؒ کی، وہ بیٹے تھے سید عبدالوہابؒ
کے، وہ بیٹے تھے سید مصطفیٰؒ کے۔ وہ بیٹے تھے سید علی ترمذی کے، وہ بیٹے
تھے سید قنبر علی ترمذیؒ کے، وہ بیٹے تھے سید احمد یوسفؒ کے۔ وہ بیٹے تھے سید
احمد نور بخشؒ کے وہ بیٹے تھے سید احمد معظمؒ کے۔ وہ بیٹے تھے سید شاہ
ہمدان ابوترابؒ کے، وہ بیٹے تھے سید احمد مشتاقؒ کے، وہ بیٹے تھے
سید شاہ ابوترابؒ کے۔ وہ بیٹے تھے سید حامدؒ کے۔ وہ بیٹے تھے سید
محمدؒ کے۔ وہ بیٹے تھے سید حسام الدینؒ کے، وہ بیٹے تھے سید شاہ
ناصرؒ کے۔ وہ بیٹے تھے سید جلال الدین گنج العلم کے۔ وہ بیٹے تھے
سید امیر علی ثالثؒ کے، وہ بیٹے تھے سید ابوالحسن علی کے۔ وہ بیٹے
تھے سید عبداللہ ثانیؒ کے، وہ بیٹے تھے سید علی صالح کے۔ وہ بیٹے
تھے سید عبداللہ اعرج کے، وہ بیٹے تھے سید حسین اصغر کے اور وہ
بیٹے تھے حضرت سید زین العابدینؓ ابن سیدنا حضرت امام حسین
رضی اللہ عنہ[1] کے۔

---

[1] رسالہ غوثیہ فارسی قلمی صد ۱۱۲ تا صد ۱۱۳

شجرۂ طریقت

جس طرح حضرت شاہ محمد غوثؒ کے مادری و پدری سلسلہ ہائے
نسب امیر المومنین حضرت علیؓ بن ابی طالب سے جا ملتے ہیں اسی طرح
آپ کا شجرۂ طریقت بھی حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے۔ اس کی تفصیل
درج ذیل ہے۔

حضرت شاہ محمد غوثؒ نے خرقۂ خلافت حاصل کیا اپنے والد اور
مرشد سید حسنؒ سے، انہوں نے اپنے والد اور مرشد سید عبداللہ سے،
انہوں نے اپنے والد اور مرشد سید محمودؒ سے انہوں نے اپنے والد
اور مرشد سید عبدالقادرؒ سے انہوں نے اپنے والد اور مرشد سید عبدالباسطؒ
سے۔ انہوں نے اپنے والد اور مرشد سید حسینؒ سے انہوں نے اپنے
والد اور مرشد سید احمدؒ سے، انہوں نے اپنے والد اور مرشد سید شرف
الدین قاسمؒ سے انہوں نے اپنے والد اور مرشد سید شرف الدین یحییٰؒ
سے انہوں نے اپنے والد اور مرشد سید بدر الدین حسنؒ سے انہوں نے
اپنے والد اور مرشد سید علاؤ الدین علیؒ سے۔ انہوں نے اپنے والد اور
مرشد سید شمس الدین محمدؒ سے، انہوں نے اپنے والد اور مرشد سید شرف
الدین یحییٰ بزرگؒ سے، انہوں نے اپنے والد اور مرشد سید شہاب الدین احمدؒ

سے، انہوں نے اپنے والد اور مرشد[۱۶۲] سید ابی صالح النصرؒ سے، انہوں نے اپنے والد اور مرشد سید عبدالرزاقؒ سے، انہوں نے اپنے والد اور مرشد حضرت سید محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ سے، انہوں نے اپنے مرشد شیخ ابو سعیدؒ ابن مبارک مخزومیؒ سے، انہوں نے اپنے مرشد شیخ ابوالحسن علی بن محمد بن یوسف قرشی الهنکاریؒ سے انہوں نے اپنے مرشد شیخ ابوالفراح طرطوسیؒ سے، انہوں نے اپنے مرشد شیخ ابوالفضل عبدالواحد بن عبدالعزیز تمیمیؒ سے انہوں نے اپنے مرشد شیخ ابوبکر شبلیؒ سے انہوں نے اپنے مرشد شیخ جنید بغدادیؒ سے، انہوں نے اپنے مرشد شیخ سری سقطیؒ سے انہوں نے اپنے مرشد شیخ حبیب عجمیؒ سے، انہوں نے اپنے مرشد شیخ خواجہ حسن بصریؒ سے، انہوں نے اپنے مرشد سیدنا حضرت علی بن ابی طالبؓ سے اور انہوں نے اپنے مرشد کامل و اکمل آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ یہ تو وہ شجرے ہیں جو حضرت شاہ محمد غوثؒ کے بزرگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب ہم ذیل میں آپ کی اولاد اور سجادہ نشینوں کے شجرے درج کرتے ہیں تاکہ یہ سلسلہ مکمل ہو جائے۔

---

[۱۶۲] رسالۂ غوثیہ قلمی فارسی ص۸۸ تا ص۹۱

شجرۂ نسل

شجرۂ اولاد حضرت سید شاہ محمد غوثؒ
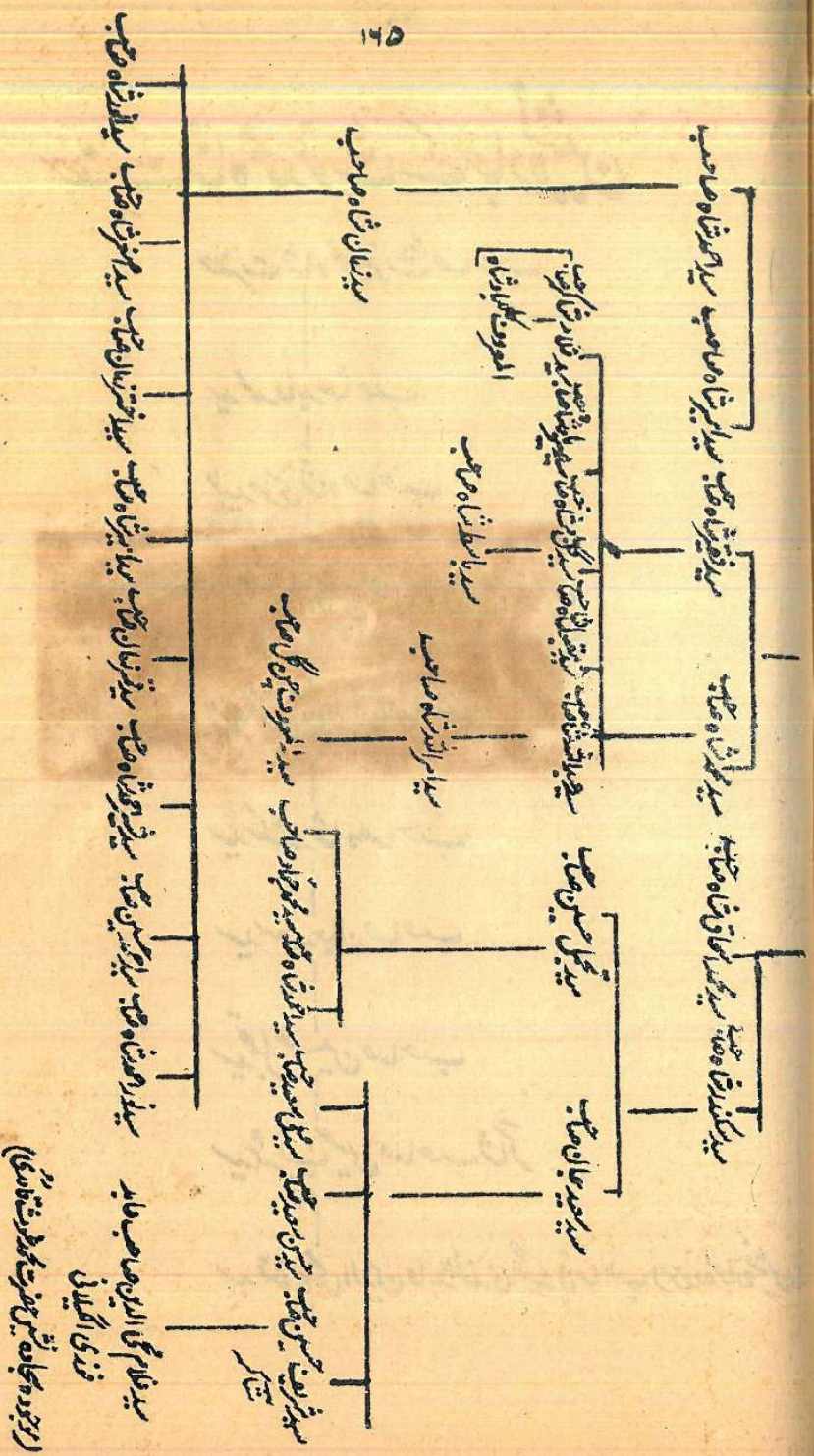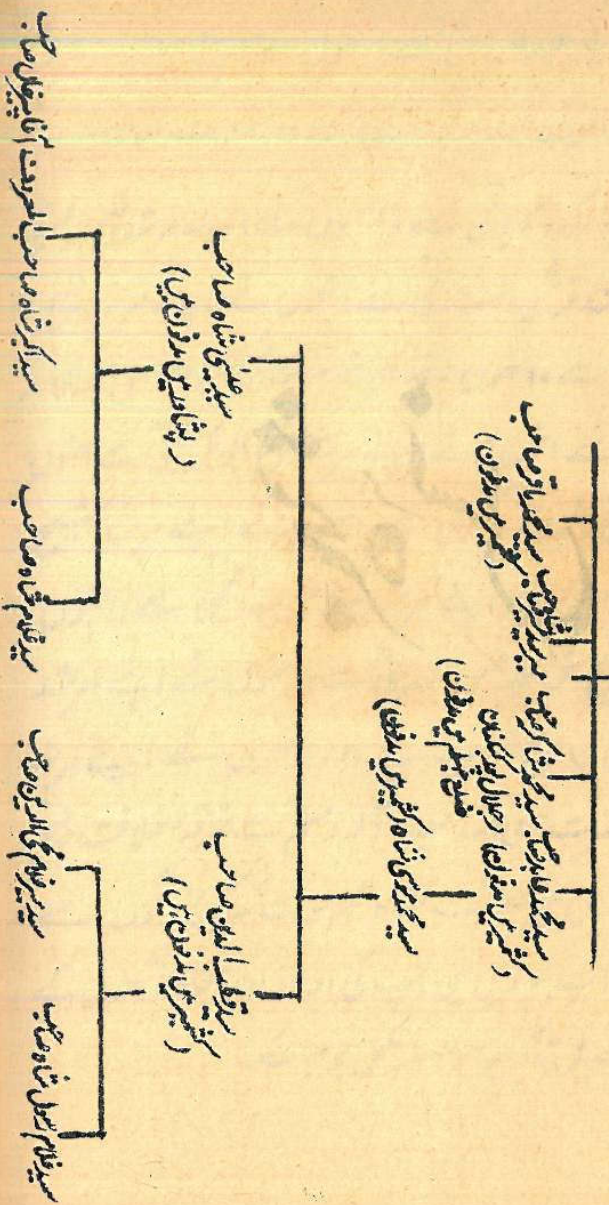
حضرت شاہ محمد غوثؒ کے سجادہ نشین

حضرت شاہ محمد غوثؒ صاحب

سید محمد عابد صاحب

سید موسیٰ شاہ صاحب

سید عیسیٰ شاہ صاحب

شاہ غلام صاحب المعروف بہ پیرجی صاحب

سید اکبر شاہ صاحب المعروف بہ آقا سید پیرجان

سید سکندر شاہ صاحب

سید سعید جان صاحب

سید تجمل حسین صاحب

سید شریف حسین صاحب شاکر

سید غلام محی الدین عابد الفندی الگیلانی صاحب (موجودہ سجادہ نشین)

بزرگانِ فیض بخش

بزرگانِ فیض بخش

(وہ بزرگ جن سے شاہ محمد غوثؒ فیضیاب ہوئے)

حضرت شاہ محمد غوثؒ اپنی زندگی میں بے شمار بزرگوں سے ملے۔ ان میں سے بعض بزرگوں سے ان کی ملاقات سرسری تھی۔ بعض کے متعلق انہوں نے اپنی کتاب "رسالہ غوثیہ" میں تصریح فرمادی ہے کہ ان سے مجھے کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا۔ بعض بزرگوں سے انہیں فیضِ روحانی حاصل ہوا جس کا انھوں نے اپنی کتاب میں تذکرہ کر دیا ہے۔ بعض سے آپ نے علمی استفادہ کیا۔ ذیل میں ان سے چیدہ چیدہ بزرگوں کے حالات بیان کئے جاتے ہیں۔

شیخ سچیار نوشہرویؒ

آپ گکھڑ قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ اسم مبارک پیر محمد تھا۔ آباؤ اجداد موضع کھڑالی تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی کے رہنے والے تھے۔

آپ کے والد میاں علی محمد وہاں سے نقل مکانی کر کے وزیر آباد میں سکونت پذیر ہوئے۔ حضرت شیخ سچیارؒ کی تربیت یہیں ہوئی۔ آپ کو بچپن ہی سے بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے کا شوق تھا۔ چنانچہ ابھی عمر کا ابتدائی زمانہ تھا کہ آپ حضرت حسین قادریؒ لاہوری کے مرید باکمال حضرت شاہ بھولا ولی قادریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ بزرگ موضع چک منجو متصل گجرات میں مقیم تھے۔ حضرت بھولا ولی قادریؒ نے حضرت شیخ سچیارؒ سے فرمایا کہ تمہارا حصۂ باطنی حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے پاس ہے۔ چنانچہ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے اور تھوڑے ہی عرصے میں مرتبۂ کمال کو پہنچ کر خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے آپ کو نوشہرہ مغلاں میں تربیتِ خلائق کے لئے متعین فرمایا۔ یہ مقام شہر گجرات سے پندرہ میل جانبِ مشرق دریائے چناب کے شمالی کنارہ پر واقع ہے جو بعد میں آپ کی برکات کی وجہ سے نوشہرہ شریف مشہور ہوا۔

حضرت شیخ سچیارؒ کے کمالاتِ ولایت بے شمار ہیں۔ مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی نے اپنی کتاب شریف التواریخ جلد دوم موسوم بہ "طبقات النوشاہیہ" میں آپ کے بہت سے کمالاتِ روحانی پر روشنی ڈالی ہے۔ کتاب "تحائفِ قدسیہ" کے مصنف نے لکھا ہے کہ

حضرت شاہ محمد غوثؒ لاہوری حضرت شیخ بہبجارؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے فیضِ روحانی حاصل کیا۔ آپ کے کثرتِ فیضان کا اندازہ لگانے کے لیے یہ امر کافی ہے کہ آپ کے چھتیس[1] ہزار مرید تھے جن میں سیکڑوں خلافت و اجازت تک پہنچے اور ان کے سلسلے اب تک برِصغیر پاک و ہند میں جاری ہیں۔ آپ کی وفات ۲۵ ربیع الاول ۱۱۴۰ھ کو ہوئی مزار نوشہرہ ضلع گجرات میں ہے۔

حافظ عبد الغفور نقشبندی

حضرت شاہ محمد غوثؒ نے جن بزرگوں سے روحانی استفادہ کیا ان میں حضرت حافظ عبد الغفور نقشبندیؒ کا نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہے حضرت حافظ صاحبؒ ۱۰۸۵ھ میں پیدا ہوئے۔ والدِ گرامی کا نام صالح محمد اور وطن کشمیر تھا۔ پہلے قرآن حفظ کیا اس کے بعد فقہ، حدیث، منطق تفسیر اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے درسِ نظامی کی باقاعدہ تکمیل کی۔ اس کے بعد علما و مشائخ کی ملاقات کے لیے رختِ سفر باندھا اور کشمیر، صوبۂ سرحد اور پنجاب کے مختلف علاقوں میں گھوم پھر کر اپنے عہد کے بڑے بڑے اہل اللہ سے ملے اور ان سے

---

[1] یہ معلومات مولوی سید شرافت نوشاہی نے میرے لیے فراہم کی (پیام)

فیضِ روحانی حاصل کیا۔ پشاور میں آپ کی ملاقات حضرت حافظ محمد اسمٰعیل غوریؒ سے ہوئی جو اپنے عہد کے بہت بڑے فاضل اور صاحب حال و قال تھے۔ حضرت حافظ محمد اسمٰعیل صاحبؒ نے آپ کو لاہور جا کر حضرت شیخ سعدیؒ لاہوری کی بیعت کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ آپ لاہور آئے اور حضرت شیخ سعدیؒ لاہوری کی بیعت انہیں کی صحبت میں مقیم ہو گئے۔ یہاں آپ نے دو ڈھائی سال رہ کر اپنے شیخ کی خدمت کر کے اور معرفت کے بہت سے اسرار معلوم کیے۔ اس کے بعد حضرت شیخ سعدیؒ لاہوری نے خرقۂ خلافت عطا کیا اور پشاور میں قیام کرنے کی ہدایت کی۔

اپنے مرشد کے حسبِ ہدایت آپ لاہور سے پشاور روانہ ہو گئے اور یہاں قیام فرما ہو کر ہدایتِ خلق میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے سیکڑوں میل کا پیدل سفر کیا اور افغانوں کے جنگ جو قبائل کو اخلاقِ فاضلہ کی تلقین کر کے ان کی پرانی عداوتیں دور کرائیں، بدعتوں اور غیر اسلامی رسوم کا خاتمہ کرایا اور ہزاروں نام کے مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنا دیا۔

حضرت حافظ عبد الغفور نقشبندیؒ کی سیرت کا یہ پہلو خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ آپ کا دل ہمدردی کے جذبات سے ہر وقت معمور رہتا تھا آپ مساکین سے بڑی محبت کرتے اور غربا کے بہت بڑے سرپرست تھے۔ خزینۃ الاصفیا کے مؤلف کا بیان ہے کہ "حافظ عبد الغفور نقشبندی دنیا اور اہلِ دنیا کی طرف التفات نہ کرتے ہاں غربا اور مسافروں کی خدمت

میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے۔ آپ کے لنگر سے تقریباً پانچ سو افراد ہر روز کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کے علاوہ نقد روپے اور لباس سے بھی حاجتمندوں کی امداد کرتے تھے۔[1]

ہر وقت محبتِ الٰہی میں مستغرق رہتے تھے۔ قلب اس قدر گداز پایا تھا کہ اگر کوئی شخص آپ کے سامنے قرآنی آیات کی تلاوت کرتا یا اللہ تعالیٰ کا لفظ اپنی زبان پر لاتا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور قلب پر اضطراری کیفیت طاری ہو جاتی۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے زمانۂ حکومت میں ۱۴ شعبان ۱۱۱۶ھ کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ مزار پشاور میں ہے۔

سید بھیک چشتیؒ

آپ کا نام نامی سید محمد سعید تھا اور سید میراں بھیک چشتی چھابری کے لقب سے ملقب تھے۔ آپ صحیح النسب حسینی ترمذی سادات تھے۔ آپ کا شجرہ چند واسطوں سے حضرت امام حسینؓ سے جا ملتا ہے۔ محمد سعید میراں بھیک ابن محمد یوسف سوانیہ ابن سید قطب شاہ ابن سید عبدالواحد ابن سید احمد ابن سید نظام الدین ابن سید عزیز الدین ابن سید شاہ تاج الدین ابن

---

[1] خزینۃ الاصفیا صفحہ ۴۱۸

سید عزیز الدین نو بہار ابن سید عثمان ابن سید شاہ سلیمان کفار شکن ابن شاہ زید سالار لشکر ابن سید امیر احمد زاہد ابن سید امیر حمزہ ابن سید ابابکر علی ابن سید عمر علی ابن سید محمد قتختہ ابن سید علی شاہ امیر کابل ابن سید حسین ثانی الملقب بہ حمیص ابن سید محمد مدنی الملقب بہ حمیص ابن سید شاہ ناصر ترمذی ابن سید موسیٰ حمیص ابن سید علی حسن حمیص ابن سید حسین علی اصغر ابن سید زین العابدینؓ ابن سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ — سید میراں بھیک چشتیؒ کی والدہ محترمہ بی بی ملکہؒ بھی سیدہ تھیں۔ آپ کا سلسلہ نسب سید زید سالار لشکر سے جا ملتا ہے۔

میراں بھیک کے آباؤ اجداد میں سے سید زید سالار لشکر ایک بڑی فوج کے ہمراہ ترمذ سے جہاد کی نیت کر کے وارد ہند ہوئے اور سیوانہ میں قیام فرمایا۔ وہاں کے راجہ نے حالتِ نماز میں آپ کو شہید کرا دیا۔ بعد ازاں آپ کے صاحبزادوں نے راجہ سے جنگ کر کے فتح پائی اور سیانہ میں مقیم ہو گئے۔ سلطان الدین التمش نے جب ان کی کرامت و شرافت کا شہرہ سنا تو اپنی صاحبزادی کی شادی سید زید سالار کے فرزند سید شہاب الدین سے کر دی اور اس خاندان کو دولتِ باطنی کے ساتھ دولت ظاہری بھی حاصل ہو گئی۔

حضرت سید بھیکؒ چشتی شاہ ابو المعالیؒ کے خلیفہ اور جانشین راستین

تھے مقاماتِ بلند اور مدارج ارجمند پر فائز تھے۔ آپ کے بعد بہت کم لوگ ایسے ہوئے ہیں جنہیں آپ جیسی کشائش ظاہری و باطنی اور قبولیت صوری و معنوی حاصل ہوئی ہو۔ آپ نے ہندی زبان میں بہت سے شعر اور دوہے کہے ہیں جن میں سے اکثر سماع کی محفلوں میں پڑھے جاتے ہیں اور اہل محفل پر وجد کی کیفیت طاری کر دیتے ہیں۔ سنہ ۱۱۳۱ھ میں آپ کی وفات ہو گئی۔ قصبہ گھڑام میں آپ کا جسدِ مبارک سپردِ خاک کیا گیا۔ نواب روشن الدولہ نے قبر پر روضہ تعمیر کرایا جو آپ کا بڑا معتقد تھا۔[1]

حضرت شاہ محمد غوثؒ ان بزرگ (سید بھیک چشتیؒ) کا ذکر بڑے ادب و احترام سے کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مسلکِ چشتیہ کے بعض طریقے میں نے انہیں سے حاصل کئے۔

سید شاہ عصمت اللہ

یہ بزرگ حمزہ پہلوانؒ کے نام سے بھی مشہور رہیں۔ ان کے والد کا نام حضرت حافظ سید محمد برخوردار بحر العشق تھا جو حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخشؒ کے فرزند اکبر اور سجادہ نشین تھے۔ آپ نے اپنے والد بزرگوار اور علامہ شیخ محمد تقی سے تحصیل علم کی۔ قرآن مجید بھی حفظ کیا۔ بیعتِ طریقت اپنے

[1] سوانح حیات حضرت شاہ محمد غوثؒ صفحہ ۱۶-۱۵ از مولانا غلام دستگیر نامی

والد ماجد سے تھی۔ ان کے انتقال کے بعد تربیت و تکمیل اور خلافت حضرت شیخ عبدالرحمٰن پاکؒ سے پائی جو حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ یہ بزرگ بڑے ریاضت و مجاہدہ کرنے والے اور صاحبِ کشوف و کرامات تھے۔ اس عہد کے اکثر صوفیائے کرام مثلاً سید شاہ محمد غوث لاہوریؒ، شیخ عبدالغفور چشتی لاہوریؒ، حکیم سلطان لاہوریؒ اور حافظ ادریس رہتاسیؒ وغیرہ آپ سے مستفیض ہوئے۔

جب حضرت شاہ محمد غوثؒ آپ کی خدمت میں بمقام ساہنپال ضلع گجرات حاضر ہوئے تو آپ کی توجہ سے ان پر ایسی حالتِ جذب و محویت طاری ہوئی کہ واپس پشاور کو جاتے ہوئے حسن ابدال پہنچنے تک اپنے آپ کو اپنی کچھ خبر نہ تھی اور یہ سارا راستہ محویت و استغراق ہی میں طے کر لیا۔ وہاں پہنچ کر افاقہ ہوا اور حالتِ صحو میں آئے۔

آپ کی وفات ۱۲ رجب ۱۱۳۷ھ میں ہوئی قبر موضع ساہنپال ضلع گجرات میں ہے۔[1]

حاجی محمد نوشاہؒ

حضرت شاہ محمد غوثؒ نے حاجی محمد نوشاہ المشہور بہ نوشاہ گنج بخشؒ

[1] یہ معلومات مولوی شرافت نوشاہی صاحب نے میرے لیے فراہم کی۔ (پیام)

سے براہِ راست فیض حاصل نہیں کیا کیونکہ جس وقت آپ نے اس کوچے میں قدم رکھا اس وقت حضرت نوشاہ گنج بخش وفات پا چکے تھے البتہ آپ نے حضرت نوشاہ گنج بخشؒ کے خلفاء سے ضرور فیض حاصل کیا جن میں سے ایک خلیفہ کے حالات گذشتہ صفحے میں درج کئے جا چکے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جلیل القدر بزرگ کے حالات اختصار ہی سے سہی درج ضرور کر دیئے جائیں جس کے خلفاء کے فیض روحانی سے حضرت شاہ محمد غوثؒ نے بہت کچھ پایا۔

آپ کا نام حاجی محمدؒ آپ کے والدِ گرامی کا نام نامی حاجی علاؤالدینؒ اور والدہ ماجدہ کا نام بی بی جیونیؒ تھا۔ حاجی علاؤالدین بڑے مرتاض اور عبادت گذار بزرگ تھے۔ انہوں نے سات حج کئے۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی ولادت یکم رمضان المبارک ۹۵۹ھ (مطابق ۱۵۵۲ء) کو ہوئی۔ جب آپ اس عالم خاکی میں تشریف لائے تو مشہور پیر طریقت حضرت شاہ سلیمانؒ قادری نے انہیں گود میں لیا، پیار کیا اور اپنے خرقے میں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر پہنا دیا۔ حروف شناسی کے بعد آپ نے قرآن حکیم پڑھنا شروع کیا اور جلد ہی علوم معقول و منقول سے فارغ التحصیل ہو گئے۔ آپ نے پہلے اپنے سلسلۂ آبائیہ میں اپنے والد ماجد سے طریقۂ سلوک حاصل کیا اور سلسلۂ قادریہ قطبیہ میں مجاز ہوئے۔ اس کے

بعد حضرتِ سخی شاہ سلیمان نوریؒ سے بیعت کی اور آپ ہی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

خلیفہ مقرر کرنے کے بعد حضرت سخی بادشاہؒ نے آپ کو دریائے چناب کے شمالی کنارے پر واقع موضع نوشہرہ تارڑاں میں جو بعد کو ساہن پال کے نام سے موسوم ہوا اقامت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ آپ ریاضت و مجاہدہ میں سرگرم رہتے۔ مدتوں صائم الدہر اور قائم اللیل رہے۔ آپ نہایت وسیع الاخلاق بلکہ اخلاقِ محمدیؐ کا مجسم نمونہ تھے۔ غریبوں اور مسکینوں کو سلام کرتے، سلام کرنے میں سبقت فرماتے سائلوں کو دروازے سے خالی ہاتھ واپس نہ کرتے اور مہمانوں کی بہ نفس نفیس خدمت کرتے تھے۔ آپ سے بہت سے خوارقِ عادت ظہور پذیر ہوئے۔ آپ اپنے زمانے کے بہت بڑے مبلغِ اسلام تھے۔ مشہور مستشرق پروفیسر ٹامس آرنلڈ کے بیان کے مطابق آپ کی کوششوں سے کثیر التعداد غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے۔ تبلیغ کے لیئے آپ نے ایک باقاعدہ نظام قائم کیا تھا اور اپنے مبلغوں کو پنجاب کے علاوہ کابل، قندھار اور کشمیر میں متعین فرمایا جن کی کوششوں سے بہت سے فاسق مسلمان حقیقی مسلمان بن گئے اور ہزارہا غیر مسلم حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

حضرت نوشاہ گنج بخشؒ نے سلیم شاہ سوری، عادل شاہ، ہمایوں،

اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کا زمانہ پایا۔ ان میں سے بہت سے بادشاہ آپ کے عقیدت مند تھے اور حصولِ برکات کے لیے آپ سے رابطہ قائم رکھتے تھے، چنانچہ تاریخ میں آتا ہے کہ جب شاہجہاں نے تسخیرِ قندہار کے لیے شہزادہ داراشکوہ کو مہم پر روانہ کیا اور وہ ناکام ہو کر واپس آگیا تو اس نے شہزادہ اورنگ زیبؒ کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ جب اورنگ زیبؒ سے بھی یہ مہم سر نہ ہوئی تو شاہجہاں نے نواب سعداللہ کو حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی خدمت میں بھیجا اور یہ درخواست کی کہ آپ فتح قندھار کے لیے دعا فرمائیے۔ آپ نے دعا فرمائی اور قندھار فتح ہو گیا۔ اس واقع کے بعد شاہجہاں آپ کا ارادتمند ہو گیا اور ایک خطیر رقم بطور نذر دینی چاہی مگر آپ نے یہ رقم قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ بادشاہ نے فقراء کے اخراجات اور لنگر کے لیے جو جاگیر عطا فرمائی وہ آپ نے قبول فرمالی۔ اس کی ساری آمدنی آپ فقراء و مساکین اور مہمانوں پر خرچ کر دیتے تھے۔ ایک سو پانچ سال کی عمر پا کر ۸ ربیع الاول ۱۰۶۴ھ (مطابق ۱۶۵۴ء) میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ وفات کے بعد آپ کو ضلع گجرات کی تحصیل پھالیہ میں دفن کیا گیا۔ جس موضع میں آپ کا روضۂ مبارک واقع ہے اس کا نام ساہن پال ہے۔ یہ موضع دریائے چناب کے شمالی کنارے پر واقع ہے۔[1]

---

[1] "انوارِ نوشاہیہ" مؤلفہ سید شرافت نوشاہی سے ماخوذ۔

شاہ کلیم اللہؒ

آپ جمادی الاول ۱۰۶۰ھ میں بمقام جہان آباد (دہلی) پیدا ہوئے مادۂ تاریخ لفظ "غنی" ہے۔ آپ شیخ فاروقی یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ علومِ ظاہری کی تحصیل کے بعد مدینہ منورہ گئے اور شیخِ وقت حضرت خواجہ یحییٰ مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر علومِ باطنی کی تکمیل کی۔ مورخوں اور تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم بلکہ فاضلِ یگانہ تھے علومِ ظاہری میں آپ کی غیر معمولی دسترس اور علومِ باطنی میں کمال دیکھ کر حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا کیا اور ہدایت فرمائی کہ جہان آباد (دہلی) جا کر تربیتِ خلق میں مصروف ہو جاؤ۔ چنانچہ آپ دہلی واپس آگئے اور یہاں سجادۂ رشد و ہدایت آراستہ کیا۔ دہلی میں بیٹھ کر آپ نے درس و تلقین دونوں کا فریضہ ادا کیا۔ طالبانِ علم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور تحصیلِ علم کرتے۔ طالبانِ حق آتے اور درسِ روحانیت حاصل کرتے۔ آپ کو سماع کا بھی شوق تھا۔ اس حالت میں آپ کی نظر کیمیا اثر ہو جاتی تھی اور اکثر لوگ آپ کو دیکھ کر بے خود ہو جایا کرتے تھے۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ کو آپ کا وصال ہو گیا۔ مزار مبارک دہلی میں لال قلعہ

کے نیچے واقعہ [1] ہے۔ کسی نے آپ کی وفات پر مندرجہ قطعۂ تاریخ لکھا ہے اور خوب لکھا ہے۔

کلیمؒ اللہ عارف پاک بودہ — باقلیم بقا زد نقش ربودہ
بہر سیدم چو تاریخ وصالش — فرو گفتا کہ ذاتِ پاک بودہ
۱۱۴۲ھ

دیگر

جنت کو گئے شاہ کلیم اللہ شاہؒ — انا للہ ثم انا اللہ
تاریخ کی فکر ہے تو کہدو شوکتؔ — محبوب خدا شاہ کلیم اللہؒ
۱۱۴۲ھ

حضرت شاہ محمد غوثؒ نے اپنی تصنیف میں حوران بزرگ (حضرت کلیم اللہ جہاں آبادی) سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی تحریر کیا ہے کہ شیخ موصوف بڑے عالم و فاضل اور عارف و زاہد تھے۔ میں ان کی خدمت میں اکثر حاضر ہوا اور صحبت میں بیٹھا۔ شیخ کلیم اللہؒ نے ایک کتاب بھی "لفمات" کے نام سے تصنیف فرمائی تھی۔ اس کتاب کا ایک نسخہ آپ نے حضرت شاہ محمد غوثؒ کو عطا کیا اور اذکار و اشغال کے بہت سے نکات بھی انہیں سمجھائے۔

---

[1] منقول از سلسلۃ الذہب طبع سوم ص۳۴ مؤلفہ احتشام الدین شوکت عثمانی (حضرت شاہ کلیم اللہؒ جہاں آبادی کے متعلق معلومات میرے دوست حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری نے فراہم کی۔ ریاکم)

شاہ ید اللہ الحسینیؒ

حضرت شاہ محمد غوثؒ نے اپنی کتاب "تذکرۂ غوثیہ" میں لکھا ہے کہ میر سید ید اللہ نامیؒ ایک بزرگ جن کا وطن شاہجہاں آباد ہے میرے دوست تھے نوکری اور سپاہ گری کرتے تھے۔ بہادر شاہ (ابن عالمگیر ثانی) کے ساتھ پشاور میں آئے۔ علم تصوف اور حقائق و معارف کے بیان میں ماہر کامل تھے۔ چنانچہ فصوص الحکم و فتوحاتِ مکی اور تصوف کی بعض دیگر کتابیں انہیں ازبر تھیں۔ ایک اور بزرگ شیخ محمد اعظمؒ درویش ساکنِ دکن بھی فوجی ملازمت کے سلسلے میں ان کے ساتھ پشاور آئے ہوئے تھے یہ دونوں (سید ید اللہؒ اور شیخ محمد اعظمؒ) مل کر فائدہ اٹھاتے تھے۔ یہ تصوف کی کتابوں سے عشق رکھتے تھے۔ مجھے ان دوستوں سے ملاقات کا موقع ملا مگر ان دوستوں میں عمل اور حال کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہوا۔ ممکن ہے مجھے معلوم نہ ہو سکا ہو اور ان میں موجود ہو۔ ہاں حقائق و معارف کے مقدمات کے بیان اور تصوف کی کتابوں میں تو یہ بے نظیر تھے۔ میں بھی ان دنوں "فصوص" کا مطالعہ کیا کرتا تھا اور جب کبھی کوئی مشکل پیش آتی تو ان عزیزوں کے پاس بیان کرتا اور شافی جواب پاتا۔

یہ شاہ ید اللہؒ حسینی حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ کی اولاد

میں سے تھے والد کا نام شاہ فتح محمد تھا۔ شجرۂ نسب یہ ہے۔ حضرت شاہ
ید اللہ حسینیؒ ابن شاہ فتح محمدؒ ابن شاہ ید اللہ ابن سید مخدوم حسینیؒ ابن شاہ
حسن ریلوریؒ ابن شاہ محمد اصغر عرف شاہ منجھےؒ ابن شاہ ید اللہ ثانی ابن
شاہ محمد اصغر عرف احمد حسینیؒ ابن شاہ ید اللہ حسینیؒ ابن شاہ یوسفؒ
عرف محمد اصغر حسینیؒ ابن خواجہؒ رکن خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ
آپ کے والد ماجد حضرت شاہ فتح محمد حسینیؒ ریلور ضلع گلبرگہ (دکن)
کے باشندے تھے۔ وہاں سے دہلی آئے اور شاہجہاں کی فوج میں ملازمت
اختیار کرلی۔ آپ کی زندگی کا پیشتر حصہ دہلی میں گذرا۔ یہیں حضرت شاہ
ید اللہ پیدا ہوئے۔ سن بلوغت کو پہنچنے کے بعد عالم گیری لشکر میں شامل
ہوگئے۔ شاہ عالم بہادر شاہ ابن عالم گیر اورنگ زیبؒ کے ساتھ پشاور بھی
گئے اور وہیں حضرت شاہ محمد غوثؒ سے ملاقات ہوئی۔

حضرت شاہ ید اللہ حسینی کے والدِ ماجد حضرت شاہ فتح محمد حسینیؒ
جب بڑھاپے کو پہنچے تو شاہی ملازمت ترک کرکے اپنے آبائی وطن
گلبرگہ تشریف لے گئے اور بقیہ زندگی عزلت نشینی میں گذاردی۔ حضرت
شاہ ید اللہ بھی اپنے والد گرامی کے ساتھ گلبرگہ چلے گئے۔

جمادی الاول سنہ ۱۱۰۰ھ میں عالم گیرؒ نے سنبھاجی کی سرکوبی کے لیے

۱؎ استفادہ از تاریخ محمدیہ مؤلفہ جہاں نما علی چشتی۔

فوج کشی کی۔ اسی موقع پر ۱۲ جمادی الاول کو گلبرگہ کے مضافات میں کورا
گاؤں کے مقام پر حضرت شاہ فتح محمد حسینیؒ اور سلطان عالم گیرؒ کی ملاقات
ہوئی۔ حضرت شاہ فتح محمد حسینیؒ نے باوجود کبرسنی اور ترک دنیا کے اس جہاد
میں بہ نفس نفیس حصہ لیا۔ ان کی دعاؤں اور روحانی تصرف سے عالم گیری
فوج ایک ہی ہفتہ میں سنبھاجی پر غالب آگئی اور ۲۹ جمادی الاول سنہ ۱۱۰۰ھ
کو سنبھاجی مع اپنے رفیق کلب کلس کے تہہ تیغ کردیا گیا۔ اس فتح کی خوشی میں
سلطان اورنگ زیب عالم گیرؒ نے حضرت شاہ فتح محمد حسینی کو شاہانہ اعزاز
سے نوازا۔ انعام و عطیات پیش کئے۔ دس ہزار روپے کی رقم اس غرض
سے عطا فرمائی کہ روضۂ گلبرگہ کے مجاوروں اور مساکین میں تقسیم کردی جائے۔

اس کے بعد حضرت اورنگ زیب عالم گیرؒ نے جو خود ایک مرد درویش
خدا رسیدہ بزرگ اور فقیر شناس تھے حضرت سید ید اللہ کو جن کا بُشریٰ ان
کی باطنی کیفیات کی غمازی کر رہا تھا اور جس سے روحانیت کے آثار
ہویدا تھے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز کا سجادہ نشین مقرر فرمایا۔ علاوہ ازیں
انعام و اکرام سے بھی نوازا اور کئی مواضعات کی آمدنی معافی کے طور پر
عنایت کی۔[۱]

حضرت شاہ ید اللہؒ نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی شاہجہاں نے

۱؎ مآثر عالم گیری سے ماخوذ۔

حضرت سید یوسف کی دختر زہرہ سلطان سے کر دی۔ یہ حضرت سید یوسفؒ بھی بڑے پائے کے بزرگ تھے ان کا مزار حیدر آباد دکن کے مقام نام پلی میں واقع ہے اور "درگاہِ یوسفین" کے نام سے مشہور ہے اس خاتون کے بطن سے آپ کے دو فرزند پیدا ہوئے۔ اوّل شاہ یوسف عرف جانی بادشاہ، دوم سید عبداللہ حسینی۔

حرم ثانی کے بطن سے دو فرزند پیدا ہوئے اوّل سید محمد حسینی دوم سید ابو الحسن [۱] آپ کی تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔ قبر اندرون روضۂ خورد گلبرگہ میں ہے۔ آپ کے بعد آپ کے فرزندِ اکبر شاہ یوسف عرف جانی پادشاہ آپ کے جانشین ہوئے۔ آپ کا شجرۂ طریقت یہ ہے۔ حضرت شاہ ید اللہ حسینیؒ خلیفہ شاہ کلیم اللہ بیدریؒ کے وہ خلیفہ خواجہ امین الدین حیدر الثانی ابو الحسن علی بیدریؒ کے وہ خلیفہ خواجہ شاہ علی بن محمدؒ کے وہ خلیفہ خواجہ سید محمد عرف شاہ کلاںؒ کے وہ خلیفہ شاہ امین الدین ابو الحسن بیدریؒ کے وہ خلیفہ شاہ محمد بن احمد کے وہ خلیفہ شاہ علی قطب الثانی بیدریؒ کے وہ خلیفہ شاہ ناصح الدین فصیح اللہؒ کے وہ خلیفہ شاہ ناصر الدینؒ کے وہ خلیفہ شاہ کلیم اللہؒ کے اور وہ خلیفہ خواجۂ دکن خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے [۲]۔

---

[۱] تاریخِ محمد میر از جہاں نما علی چشتی۔

[۲] حضرت شاہ ید اللہ حسینیؒ کے متعلق معلومات میرے دوست سید نفیس الحسینی صاحب نے فراہم کی ہیں۔

حضرت میاں میرؒ

حضرت شاہ محمد غوثؒ کو حضرت میاں میرؒ کی صحبت میں رہنے اور ان سے کسبِ فیض کرنے کا موقع نہیں ملا کیونکہ حضرت میاں میرؒ آپ سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ مگر آپ کو ان سے روحانی استفادہ کا موقع ضرور ملا اور وہ اس طرح کہ جب آپ لاہور پہنچ کر حضرت میاں میرؒ کے مزار پر حاضر ہوئے تو آپ نے ایک کشفی نظارہ دیکھا جس میں حضرت میاں میرؒ نے آپ کو ہدایت فرمائی کہ پشاور جا کر مقیم ہو جاؤ اور خلقِ خدا کی ہدایت کا فریضہ انجام دو۔ اس لحاظ سے حضرت میاں میرؒ کا اسم گرامی بھی ان بزرگوں میں درج ہونا چاہیئے جن سے حضرت شاہ محمد غوثؒ کو روحانی فیض حاصل ہوا۔

آپ کا اسم گرامی محمد میر اور والدہ ماجدہ کا نام نامی قاضی سائیں دتہ تھا [۱] ۹۵۷ھ میں سابق سندھ کے ایک مقام سیوہن میں پیدا ہوئے۔ آپ سیدنا حضرت عمرؓ فاروق کی اولاد میں سے تھے اور آپ کا سلسلۂ نسب تیسویں پشت میں حضرت عمرؓ فاروق سے جا ملتا ہے۔ حضرت میاں میرؒ کے والدین اور ہمشیرہ بھی نہایت عابد و زاہد اور صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے۔

---

[۱] شاہجہاں نامہ جلد سوم ص ۳۱

آپ نے اپنی والدۂ محترمہ کے حوالے سے خود بیان فرمایا کہ میرا بڑا بھائی پیدا ہوا تو میری والدہ کو ازروئے کشف معلوم ہوگیا کہ ان کا یہ بیٹا عارف نہیں ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمائی کہ اے خالق اکبر! میں ایسا بیٹا چاہتی ہوں جو عارفِ کامل ہو اور ہمیشہ تیری یاد میں مستغرق رہے۔ چنانچہ ندائے غیبی آئی کہ تمہیں ایک بیٹا اور ایک بیٹی عطا کی جائے گی اور یہ دونوں عارف باللہ ہوں گے۔ اس کے بعد حضرت میاں میرؒ کی ولادت ہوئی۔[۱]

مشہور مورخ سید محمد لطیف نے اپنی تاریخ میں حضرت میاں میرؒ کے بھائیوں اور بہنوں کی تفصیل ایک نقشے کی صورت میں ظاہر کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے تین بھائی اور دو بہنیں تھیں، بلن، عثمان طاہر، جمال خاتون اور جمال مادیؒ۔[۲]

تعلیم و تربیت

حضرت میاں میرؒ کی عمر سات سال کی تھی کہ آپ کے والدِ ماجد کا انتقال ہوگیا۔ اس لیئے ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت دونوں کا فریضہ ان کی والدہ ماجدہ نے ادا کیا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی والدہ

---

[۱] سفینۃ الاولیا صفحہ ۷ [۲] ہسٹری آف لاہور ص ۱۷۲

سے اجازت لے کر آپ مزید تعلیم اور سیر و سیاحت کے لیے روانہ ہوئے اثنائے راہ میں سندھ کے ایک مشہور بزرگ حضرت شیخ خضرؒ سے سیوستان کے پہاڑوں میں آپ کی ملاقات ہوئی۔ شیخ کی نظرِ کیمیا اثر نے آپ کے قلب پر ایسا اثر ڈالا کہ آپ انہیں کے ہو رہے۔ اور ان کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے وہیں مقیم ہوگئے۔ شیخ کے پاس رہ کر آپ نے علومِ باطنی کی تکمیل کی۔ کچھ عرصے کے بعد آپ نے شیخ سے اجازت لے کر علومِ رسمی کی مزید تعلیم کے لیے رختِ سفر باندھا اور لاہور روانہ ہوگئے۔ لاہور اس زمانے میں بھی علما و فضلا کا مرکز اور صاحبانِ علم کا گہوارہ تھا۔ اس دور کے بڑے علما میں مولانا سعد اللہ اور مولانا نعمت اللہ مسندِ علم و فضل پر متمکن تھے۔ حضرت میاں میرؒ کو ان دونوں بزرگوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کا موقع ملا اور چند ہی سال میں آپ نے جملہ علوم رسمی کی تکمیل کرلی۔ تحصیلِ علم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہوگئے۔ سکینۃ الاولیا کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سرہند کا بھی سفر کیا اور وہاں ایک سال مقیم رہے مگر شاید آپ وہاں راس نہ آئی اور گھٹنے کے شدید درد میں مبتلا ہوگئے۔ جس نے ایک مستقل عارضے کی صورت اختیار کرلی اس لیئے شفایاب ہوتے ہی لاہور کے لیے رختِ سفر باندھا اور پھر مستقل طور پر اسی شہر کو اپنا مستقر بنالیا۔

اعجاز و کرامت

حضرت میاں میرؒ کے قیام لاہور کا ابتدائی زمانہ بہت عسرت اور فقر و فاقے میں بسر ہوا لیکن اپنی فطری قناعت اور استغنا کی وجہ سے آپ نے کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا گوارا نہ کیا۔ جب بھی کوئی ایسا موقع آتا آپ اپنے پروردگار کے حضور دستِ سوال دراز کرتے اور وہ کبھی آپ کا ہاتھ خالی واپس نہ کرتا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ ایک دن کا واقعہ ہے کہ میرا بھائی عرصۂ دراز کے بعد مجھ سے ملنے آیا۔ لیکن اس وقت میرے پاس کوئی چیز نہ تھی جو اس کے سامنے رکھ کر فرضِ میزبانی ادا کرتا۔ اسی اضطراب کے عالم میں حجرے سے نکل کر باغ میں چلا گیا اور وضو کر کے خدا تعالےٰ کے حضور کھڑا ہو گیا۔ میں دعا کر رہا تھا کہ اے ستار العیوب اور اے پروردگار عالم میرے گھر مہمان آیا ہے اور میں نے اسے صرف تیرے آسرے پر بٹھا دیا ہے۔ سوائے تیرے میرا کوئی دوست اور مہربان نہیں کہ جس کے سامنے دستِ سوال دراز کروں۔ اتنے میں ایک آواز آئی ہم نے تیری آرزو مانگنے سے پہلے ہی پوری کر دی۔ دوسرے لمحے میرا بھائی آگیا اور اس نے بتایا کہ ایک شخص کھانا لے کر آیا ہے اور آپ کو یاد کر رہا ہے۔ چنانچہ جب میں حجرے میں داخل ہوا تو ایک خوش رو جوان کو منتظر پایا۔

اس نے مجھے سلام کیا اور کھانے کے علاوہ زرِ نقد کی بھی پیش کش کی۔

حضرت میاں میرؒ کی بزرگی اور قبولیت دعا کے یہی نشانات تھے جنہیں دیکھ کر لوگ آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ باوجودیکہ آپ ساری عمر گوشہ نشیں رہے مگر پھر بھی آپ کے نام کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی۔ خلقت کا اژدہام آپ کے دروازے پر رہتا تھا اور ہزارہا لوگ آ کر آپ کا دیدار کرتے اور آپ کے مواعظِ حسنہ سے ان کی زندگی میں انقلاب آ جاتا۔

جہانگیر سے ملاقات

یہ حضرت میاں میرؒ کا تقویٰ، بزرگی اور روحانی برتری ہی تھی جس نے اس زمانے کے امراء، گورنروں، شہزادوں حتیٰ کہ شاہانِ وقت کو بھی آپ کا عقیدتمند بنا دیا تھا۔ چنانچہ جہانگیر، شاہ جہاں اور شہزادہ دارا شکوہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور روحانی برکات حاصل کرتے۔ دارا شکوہ تو آپ کا اس قدر معتقد تھا کہ آپ کے حجرے میں جوتا پہن کر جانے کو خلافِ ادب سمجھتا تھا۔ سب سے پہلا بادشاہ جس نے حضرت میاں میرؒ سے ملاقات کرنے کو اپنے لیے باعثِ سعادت جانا مغل بادشاہ جہانگیر ہے۔ اس نے اپنی "تزک" میں اس ملاقات کا حال تحریر کیا ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "میں نے حضرت میاں میرؒ سے مل کر محسوس کیا کہ آپ کا وجود مغتنماتِ زمانہ میں سے ہے۔ آپ نے اس ملاقات میں معارف کے بڑے دقیق نکات میرے سامنے بیان کئے۔ ہر چند میں نے چاہا کہ ان کی خدمت میں نیاز پیش کروں، مگر پایۂ ہمت الیشاں ازاں عالی تر یافتم و بمشکل تمام اسپید ہرن کی کھال بغرض جانماز قبول فرمائی"۔

طبعی حالات

حضرت میاں میرؒ طبعی طور پر بہت سادگی پسند بزرگ تھے۔ یہ سادگی خوراک اور لباس سے لے کر نشست و برخواست اور ملاقات غرض ہر شعبۂ زندگی میں یکساں نظر آتی تھی۔ آپ نے ہدایت فرما دی تھی کہ کھانا صرف ایک قسم کا پکایا جایا کرے۔ جب کھانا پک کر آتا تو مٹی کے ایک بڑے برتن میں آپ کے سامنے رکھ دیا جاتا۔ جتنے لوگ موجود ہوتے آپ اُن سب کو اس کھانے میں شریک کر لیتے اور سب کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے۔ اگر کوئی شخص غیر حاضر ہوتا تو اس کے حصے کا کھانا اٹھا کر رکھ دیا جاتا۔ غذا بہت کم تھی۔ پرخوری سے نفرت فرماتے تھے۔ کھانے کی طرح آپ کا لباس بھی سادہ ہوتا۔ فقیروں اور درویشوں کا مخصوص لباس کبھی زیب تن نہیں فرمایا اور نہ خرقہ پہنا۔ معمولی کپڑے کی پگڑی، موٹے کپڑے کا کرتہ اور سادہ سا آپ کا لباس تھا۔ جب

۱؎ تزک جہانگیری صفحہ ۲۸۶-۲۸۵

میلا ہو جاتا تو دریا پر جا کر خود دھو لیتے۔

پابندئ شریعت

حضرت میاں میرؒ کی ایک خصوصیت جو انہیں عام صوفیا سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ آپ شریعت کی نہایت سختی سے پابندی کرتے تھے اور ان لوگوں سے سخت نفرت فرماتے جو کہتے ہیں کہ جب بندہ خدا سے مل جاتا ہے تو اس پر جذب کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور عالم جذب میں وہ ظواہر شریعت سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ آپ نے اپنے طرزِ عمل سے اس گمراہ کن خیال کی تردید کی۔ آپ اپنے زمانے کے درویش کامل تھے اور قرب الٰہی کی نعمت سے بہرہ ور تھے مگر اس کے باوجود آپ پر کبھی ایسی حالتِ جذب طاری نہ ہوئی جس میں ایک وقت کی نماز قضا ہوئی ہو۔

رموزِ قرآنی

آپ کی طبیعت میں نکتہ آفرینی کا مادہ بدرجۂ اتم تھا۔ قرآن کریم کی تلاوت بڑے شغف سے کرتے اور اس کے معنی پہ اکثر غور و فکر کرتے رہتے۔ اس تدبر و تفکر، فطری ذہانت اور روحانی بصیرت نے آپ پر قرآن حکیم کے نہایت لطیف معنی منکشف کئے۔ تمام علوم رسمی آپ کے ذہن میں ہر وقت مستحضر رہتے۔ چنانچہ اس زمانے کے اکثر دانشور علمی مشکلات حل کرنے کے لیے آپ سے رجوع کرتے تھے۔ علم تصوف کے رموز و نکات اور ان کی اصطلاحات پر آپ کو مکمل عبور حاصل تھا اور ان کی باریکیوں سے پوری طرح آگاہ تھے۔ حافظے کا یہ عالم تھا کہ

ابن عربیؒ کی فتوحاتِ مکی کی اکثر عبارتیں نوکِ زبان رہتی تھیں اور مولوی جامی کی شرح تو ازبر تھی۔[1]

نظریاتِ تصوف

حضرت میاں میرؒ کی متصوفانہ تعلیم عام صوفیا کی طرح ادق اور پیچیدہ نہ تھی۔ آپ مسائلِ تصوف کو اسقدر صاف اور عام فہم طریقے سے بیان فرماتے کہ ہر استعداد کے لوگ ان سے استفادہ کر سکتے تھے اور مسائلِ تصوف بیان کرتے وقت اس امر کا خاص خیال رکھتے کہ کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکل جائے جو شریعت سے متصادم ہوتی ہیں۔ سلوک، شریعت، طریقت اور حقیقت کے متعلق آپ کے نظریات کا خلاصہ یہ ہے کہ سالک کے لیے سلوک کی پہلی منزل شریعت ہے۔ جب وہ اس منزل کو کامیابی سے طے کرے گا تو اس کی برکت سے اس کے دل میں طریقت کی لگن پیدا ہو جائے گی اور جب حقوقِ طریقت کو بھی ادا کرے گا تو خدا تعالیٰ اس کی آنکھوں کے سامنے سے حجابِ بشریت اٹھا دے گا اور حقیقت اس پر منکشف ہو جائے گی۔ انسان تین چیزوں سے مرکب ہے نفس، دل اور روح۔ ان میں سے ہر ایک کی اصلاح کے لیے ایک خاص چیز ضروری ہے۔ نفس کی اصلاح کے لیے شریعت۔ دل کی اصلاح کے لیے طریقت اور روح کی اصلاح کے لیے حقیقت۔

وفات

لاہور کی فضا کو اپنے انفاسِ قدسیہ سے ساٹھ سال تک ضیا بار رکھنے کے بعد ۸۸ سال کی عمر پا کر روحانیت کا یہ آفتاب ۱۰۷۰ھ[2] میں غروب ہو گیا۔ وفات سے چند روز پہلے آپ کو اسہال کا عارضہ لاحق ہوا اور اسی عارضے میں آپ نے وفات پائی۔

---

[1] شاہجہان نامہ جلد سوم صفحہ ۳۴۲ [2] ہسٹری آف لاہور صفحہ ۱۷۵

سجّادگانِ شاہ محمد غوثؒ

سجادگانِ شاہ محمد غوثؒ

حضرت شاہ محمد غوثؒ نے تبلیغ و تزکیۂ نفس کی جو تحریک جاری کی تھی وہ تقاضہ کرتی تھی کہ اُسے آپ کے بعد بھی جاری رہنا چاہئیے بلکہ آپ کے بعد جو حالات رونما ہوئے ان میں اس تحریک کی بے حد ضرورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے والدِ ماجد حضرت سید حسنؒ نے خرقۂ خلافت عطا فرماتے وقت آپ کو ہدایت فرمائی تھی کہ یہ خرقۂ خلافت اپنے بعد کسی ایسے شخص کو دیدینا جو اس کا پوری طرح اہل ہو اس سے آپ کا مقصد یہی تھا کہ رُشد و ہدایت کا یہ سلسلہ ختم نہ ہو جائے بلکہ جاری رہے اور لوگ اس چشمۂ فیض سے اپنی روحانی پیاس بجھاتے رہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ محمد غوثؒ نے اپنے والدِ مکرم اور اپنے مرشد کے ارشاد کے بموجب اپنے انتقال سے قبل خرقۂ خلافت اپنے فاضل بیٹے حضرت میر سید عابد شاہ صاحبؒ کو عطا فرمایا اور پھر انہوں نے اپنے بیٹے حضرت میر سید موسیٰ شاہ صاحبؒ کو غرض اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا۔ آپ کے ان سجادہ نشینوں نے نہایت روح فرسا اور حوصلہ شکن حالات میں رُشد و ہدایت کے اس سلسلے کو جاری رکھا۔ ان میں بعض بڑے صاحبِ کمال

بزرگ پیدا ہوئے جن کے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور حسنِ اخلاق نے ایک عالم کو ان کا گرویدہ بنا دیا۔ ذیل میں حضرت شاہ محمد غوثؒ کے سجادہ نشین حضرات کے مختصر حالات درج کئے جاتے ہیں۔

میر سید عابد شاہ

یہ حضرت سید محمد غوثؒ کے سب سے بڑے بیٹے اور سب سے پہلے سجادہ نشین تھے۔ سنہ ۱۱۱۱ھ میں بمقام پشاور پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے نہایت متین اور سنجیدہ تھے۔ حروف شناسی کے بعد قرآن مجید حفظ کیا اور پھر اپنے والد گرامی کی زیرِ نگرانی عربی، فارسی، قرآن، حدیث، تفسیر فلسفہ اور منطق کی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد حضرت شاہ محمد غوثؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور پھر اُن کی اجازت سے سری نگر تشریف لے گئے۔ یہاں آپ نے محلہ بسری باغ میں قیام فرمایا حضرت پیر عابد شاہ صاحب نے جس عالمِ بے بدل۔ زاہدِ مرتاض اور اخلاقِ کریمانہ کے پیکر کی زیرِ نگرانی تعلیم و تربیت حاصل کی تھی اس کی پوری صفات آپ میں موجود تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف سری نگر بلکہ دور دور تک کشمیر کی وادی میں آپ کی ذات عقیدت و محبت کا مرکز بن گئی۔ سری نگر میں آپ نے ایک درس گاہ قائم کی جس میں عام طلبا کے علاوہ اس عہد

کے بڑے بڑے عالم آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے۔ درس گاہ کے ساتھ ایک لنگر خانہ بھی تھا جس سے روزانہ سینکڑوں فقیر اور محتاج افراد کھانا کھاتے۔ آپ ہر شخص خصوصاً علما کے ساتھ بڑی عزت و تکریم سے پیش آتے۔ یہی وجہ تھی کہ علما کا ایک بڑا طبقہ آپ کا عقیدتمند ہو گیا۔ ان علما کے ذریعے آپ کی شہرت و مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہونے لگا اور ہزاروں افراد آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس روحانی سلسلے میں داخل ہونے لگے۔ آپ اپنے مریدوں کی طرف بڑی توجہ فرماتے اور اُن کی تربیتِ نفس کو ہر وقت پیش نظر رکھتے اس طرح آپ کی نگاہ کیمیا اثر نے ہزاروں قلوب کی کیفیت یکسر بدل دی۔ کشمیر کا حکمران بھی آپ سے بے حد متاثر تھا اور جب اس نے دیکھا کہ اس درویش حق آگاہ کے دستر خوان پر بیٹھنے والوں کا سلسلہ روز بروز بڑھ رہا ہے تو اُس نے تیرہ گاؤں آپ کے نام لکھ دیئے جن کی آمدنی سے لنگر کے اخراجات بخوبی پوری ہونے لگے۔ مگر افسوس کہ جب کشمیر پر سکھوں کا تسلط قائم ہوا تو انھوں نے یہ ساری جاگیر ضبط کر لی[1]۔ ۹ ربیع الاول ۱۱۸۵ھ کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ سید رسول شاہ، سید غلام شاہ، سید موسیٰ شاہ اور سید یوسف شاہ۔ ان میں سے سید موسیٰ شاہ نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔

---

[1] تاریخ اقوام کشمیر ص۱۱۰۔

میر سید موسیٰ شاہ

آپ میر سید عابد شاہ صاحب کے فرزندِ ثالث تھے۔ کشمیر میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ درس نظامیہ کے فارغ التحصیل ہونے کے علاوہ حافظ قرآن بھی تھے۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد اپنے والد گرامی کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر ریاضت اور نفس کشی میں مصروف ہو گئے کہتے ہیں کہ اس مقصد کے لیے آپ سال ہا سال جنگلوں میں بیٹھے ذکر و فکر کرتے رہے اس طرح آپ نے سلوک کی وہ تمام منزلیں طے کر لیں جو ایک سالک کے لیے ضروری ہوتی ہیں آپ حدیث کے بہت بڑے عالم تھے اور آپ کے حدیث درس میں اس عہد کے بعض اکابر علما بھی شریک ہوتے تھے۔ اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد آپ سجادۂ رشد و ہدایت پر متمکن ہوئے اور درس و تدریس اور تبلیغ کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا۔ آپ کا لنگر بڑا وسیع تھا جس سے روزانہ سیکڑوں افراد کھانا کھاتے تھے۔ آپ کی سیرت نہایت پاکیزہ اور کردار بہت بلند تھا۔ خود نہایت بلند پایہ عالم اور بہت بڑے روحانی پیشوا تھے مگر اس کے باوجود علما اور صوفیا کی تلاش میں گھومتے پھرتے اور جہاں کوئی عالم یا صوفی مل جاتا اس کی خدمت کرتے یا اس سے کسب

فیض کرنے میں کوئی عار نہ سمجھتے بلکہ اسے عین سعادت قرار دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے علما اور صوفیا آپ کی بڑی قدر کرتے۔ ۷ جمادی الثانی ۱۲۳۶ھ کو آپ کا کشمیر میں انتقال ہو گیا اور وہیں دفن کئے گئے۔ آپ کے دو فرزند تھے سید عیسیٰ شاہ اور سید قطب الدین شاہ۔ ان میں سے سید عیسیٰ شاہ کو بہت شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔

میر سید عیسیٰ شاہ

آپ میر موسیٰ شاہ صاحب کے بڑے فرزند تھے ۱۱۹۲ھ میں بمقام سری نگر پیدا ہوئے۔ اپنے والد گرامی کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت حاصل کی تعلیم کی تکمیل کے بعد اپنے والد کے دست مبارک پر بیعت کی اور ان کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ نے اپنی زندگی میں متعدد سفر کئے۔ کشمیر سے چل کر لاہور پہنچے اور یہاں اپنے جد امجد حضرت شاہ محمد غوثؒ کے مزار پر حاضری دی اس وقت لاہور میں جو باکمال علما و فضلا موجود تھے آپ نے ان سے ملاقات کی۔ لاہور سے روانہ ہو کر آپ جہلم پہنچے اور وہاں حضرت سید شاہ محمد غوثؒ کے فرزند ثانی سید محمد شاکر صاحب کے مزار پر حاضر ہوئے۔ کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد آپ پشاور تشریف لے گئے۔ یہاں آپ کو کشف یا رویا میں ہدایت کی گئی کہ پشاور میں قیام کرو۔ چنانچہ آپ نے پشاور کو اپنی اقامت

---

[1] یہ معلومات مجھے مولانا محمد امیر شاہ صاحب قادری سجادہ نشین یکہ توت پشاور کے قلمی مسودات سے حاصل ہوئیں۔ علاوہ ازیں میر سید عیسیٰ شاہ صاحب آغا سید شاہ غلام صاحب اور آغا سید سعید جان صاحب کے حالات بھی انہیں مسودات سے ماخوذ ہیں۔

گاہ بنا لیا یہیں آپ نے اپنے درس کا آغاز کیا۔ اس درس کی اس قدر شہرت ہوئی کہ لوگ جوق در جوق اس میں شریک ہوتے اور دور دور سے آتے۔ آپ کی مقبولیت کا دائرہ پشاور اور صوبہ سرحد سے نکل کر افغانستان تک وسیع ہو گیا اور کابل کے بہت سے سردار آپ کے عقیدتمند ہو گئے۔ آپ بہت کشادہ دست اور مہمان نواز بزرگ تھے۔ اپنی اس فیاضی کی وجہ سے مقروض بھی ہو جاتے مگر اللہ تعالیٰ جلد ہی کوئی نہ کوئی صورت ایسی پیدا کر دیتا کہ یہ قرض اتر جاتا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کو غیر معمولی محبت تھی۔ جب کوئی حضورؐ کا ذکر کرتا آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو جاتے۔ اپنے والد محترم کی طرح آپ نے بھی لنگر جاری کیا جس سے روزانہ بیسیوں افراد کھانا کھاتے تھے ۸۴ سال کی عمر پا کر ۱۳ شعبان ۱۲۷۶ھ کو آپ کا پشاور میں انتقال ہو گیا اور وہیں دفن کئے گئے۔ آپ کے دو فرزند تھے شاہ غلام صاحب المعروف بہ پیر جی اور سید اکبر شاہ صاحب المعروف بہ پیر جان صاحب۔ ان میں سے حضرت شاہ غلام صاحب کو بہت شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی

آغا سید شاہ غلام

آپ ۱۲۰۸ھ میں بمقام پشاور پیدا ہوئے۔ اپنے والد مکرم سے تعلیم و تربیت حاصل کی ۱۸ سال کی عمر میں درس نظامیہ کی تکمیل کے بعد حضرت سید عیسیٰ شاہ صاحب کے دست مبارک پر بیعت کی۔ آپ نے

کابل، ہرات، کشمیر اور پنجاب کے متعدد شہروں کی سیاحت کی اور ۱۷
جمادی الثانی ۱۲۳۳ھ کو اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد مسندِ خلافت
پر متمکن ہوئے۔ نہایت متقی پرہیزگار اور بے نیاز قسم کے بزرگ تھے
آپ کے زمانے میں پنجاب پر سکھوں کا تسلط تھا۔ یہ زمانہ مسلمانانِ پنجاب
کے لیے بہت بڑے ابتلا کا زمانہ تھا۔ قوم کی حالتِ زار اور سکھوں کے ظلم
وستم سے آپ بے حد دل برداشتہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت
سید احمد شہید جماعتِ مجاہدین کے ساتھ پشاور تشریف لائے تاکہ جہاد
کرکے مسلمانانِ پنجاب کو سکھوں کی ظالمانہ حکومت سے نجات دلائیں تو
حضرت شاہ غلام نے اُن کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور تحصیل کی عمارت میں
مجاہدین کے اس لشکر کی دعوت کی۔ آپ کا حلقۂ ارادت بہت وسیع
تھا اور کشمیر سے پنجاب اور کابل تک آپ کے مرید پھیلے ہوئے تھے۔ اپنے
آباؤ اجداد کی طرح آپ بھی درس دیتے تھے اور آپ کا لنگر بھی جاری تھا۔ آپ
فارسی زبان کے شاعر بھی تھے اور میر سجی تخلص کرتے تھے کبھی کبھی اردو میں بھی
کہہ لیتے تھے۔ آپ نے فارسی زبان میں اپنا شجرہ بھی نسب کیا ہے۔ ۲ شعبان
۱۲۵۸ھ کو بروز جمعہ آپ نے وفات پائی اور پشاور میں دفن ہوئے۔ آپ
نے دو شادیاں کیں جن سے بہت سی اولادیں پیدا ہوئیں فرزند دو ہی تھے
فرزند اکبر کا نام سید محمد شاہ اور فرزند اصغر کا نام فقیر شاہ تھا۔

سید آقا پیر جان

آپ سید عیسیٰ شاہ صاحب کے فرزند تھے۔ اسم مبارک سید اکبر شاہ اور
لقب پیر جان تھا[۱] ۱۲۱۵ھ میں بمقام پشاور پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد
ماجد کے زیر سایہ حاصل کی اور بیعت اپنے برادر اکبر سید شاہ غلام المعروف بہ پیر جی کے
دست مبارک پر کی اور ان کے انتقال کے بعد مسند نشین خلافت ہوئے۔ آپ کے
زمانے میں پشاور پر سکھوں کی حکومت تھی۔ ایک مجلس میں پشاور کا سکھ حاکم اور
اس کے دو ساتھی بیٹھے تھے اس مجلس میں آقا پیر جان صاحب بھی تشریف
فرما تھے۔ دورانِ گفتگو میں حاکم پشاور نے اسلام کے متعلق سخت گستاخانہ
الفاظ استعمال کئے۔ سید پیر جان اسلام کی توہین برداشت نہ کرسکے اور تلوار
نکال کر ان تینوں کو قتل کردیا۔ چونکہ آپ نہایت صاحب اقتدار بزرگ تھے
اور پشاور آپ کے عقیدتمندوں سے بھرا ہوا تھا اس لیے سکھوں کو آپ پر
ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ چند یوم کے بعد آپ یہ کہہ کر پشاور سے کابل
چلے گئے کہ جہاں اسلام کی توہین ہوتی ہو وہاں رہنا مجھے پسند نہیں۔ کابل میں
آپ کی حد درجہ تعظیم و تکریم کی گئی۔ علماء عوام اور امراء سب آپ کے اخلاق
فاضلہ اور علم و فضل کی وجہ سے آپ کے گرویدہ ہوگئے — افغانستان کے
حکمراں نے آپ کا وظیفہ مقرر کردیا تاکہ معاش کی طرف سے بے نیاز ہو کر

---

[۱] تذکرہ علماء مشائخ سرحد ص ۱۲۰

آپ اپنا مشن اطمینان سے جاری رکھ سکیں۔ سکھوں کی طرح انگریزوں سے بھی
آپ کو سخت نفرت تھی۔ آپ ہی کے عہد میں پنجاب اور پشاور سکھوں کے قبضے
سے نکل کر انگریزوں کے زیر تسلط آ گئے تھے اور ایک انگریز پشاور کا حکمران تھا
اس زمانے میں امیر شیر علی خاں افغانستان کا حاکم تھا جب شیر علی خاں پشاور
آئے تو یہاں کے انگریز حاکم نے ایک عظیم الشان تقریب منعقد کی جس میں پشاور
کے تمام اکابر کو بھی مدعو کیا۔ اس تقریب میں سید پیر جان صاحب کو بھی شرکت
کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے مگر جب کھانے کا وقت
آیا تو آپ نے یہ کہہ کر کھانا کھانے سے انکار کر دیا کہ یہ فرنگیوں کی ضیافت
ہے اور میں اس میں شرکت کرنا پسند نہیں کرتا۔ امیر شیر علی خاں کو سید پیر
جان صاحب کا یہ جواب ناگوار گذرا اور انھوں نے کہا کہ کابل کی طرف سے
آپ کے نام جو وظیفہ مقرر ہے وہ ضبط کیا جاتا ہے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا
کہ اے بادشاہ! فقیر کی فقیری قیامت تک رہے گی مگر تیری بادشاہت
نہ رہے گی۔ آپ اس مجلس سے اٹھ کر فوراً چلے آئے کہتے ہیں کہ جب
امیر کابل واپس پہنچا تو اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔[1]

آپ نہایت متوکل اور خوددار بزرگ تھے۔ اپنی ذاتی غرض کے لیے
کبھی کسی حاکم یا امیر کے دروازے کا رخ نہیں کیا۔ علم و فضل میں وہ کمال

---

[1] تذکرہ علماء و مشائخ سرحد صہ ۱۳۱

حاصل تھا کہ آپ کے عہد کے تمام بڑے بڑے علما متنازعہ فیہ امور میں
آپ کو ثالث بناتے تھے۔ مفتی اپنے فتووں کی تصدیق کے لیے آپ سے
رجوع کرتے تھے۔ نہایت فیاض اور مہمان نواز بزرگ تھے۔ فقیروں
اور مسکینوں سے بہت محبت فرماتے تھے۔ ۲۸ جمادی الاول ۱۳۱۵ھ بروز
شنبہ پشاور میں انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔

آقا سید سکندر شاہ

آپ ۱۲۶۶ھ میں بمقام پشاور پیدا ہوئے۔ سید میر محی الدین صاحب کے
فرزند تھے۔ نہایت عالم فاضل انسان تھے آپ نے پشاور کے علاوہ جموں اور
کشمیر تک کے باکمال علما سے استفادہ کیا۔ سید اکبر شاہ صاحب المعروف
بہ آقا پیر خان صاحب سے بیعت تھے اور ان کے انتقال کے بعد
مسند نشین خلافت ہوئے۔ آپ کو صوبہ سرحد سے لے کر لاہور، قصور
اور چونیاں تک یکساں مقبولیت حاصل تھی آپ کے ہزاروں مرید تھے
ایک روایت کے مطابق ہندوستان میں بھی آپ کے عقیدتمندوں کی
خاصی تعداد تھی۔ آپ کو شہرت اور نام و نمود سے نفرت تھی مگر اس کے
باوجود آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔ صوبہ سرحد کے حکام
اور رؤسا آپ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ آپ بیک وقت سلسلہ
قادری اور سلسلہ چشتیہ میں بیعت لیتے اور دونوں سلسلوں کے مریدوں

کی تربیت و اصلاح فرماتے ۔ فروتنی اور علم کی پیاس کا یہ عالم تھا کہ جب معلوم ہو جاتا کہ فلاں جگہ کوئی بہت بڑا عالم یا صوفی مقیم ہے تو آپ اس کے پاس جاتے اور اس سے کسب فیض حاصل کرتے ۔ اس سلسلے میں آپ نے مختلف علاقوں کے بہت سے سفر کئے حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے ۔ آپ کے عہد کے لوگوں میں خواجہ شمس الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف ، میاں شیر محمد صاحب شرقپوری ، پیر سید حیدر شاہ صاحب سجادہ نشین جلال پور شریف ، مولوی غلام قادر بھیروی اور پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ شریف قابل ذکر ہیں ۔ ان سب لوگوں سے آپ کے نہایت مخلصانہ تعلقات تھے اور ان میں سے بعض آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ بھی کرتے تھے ۔ ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ کو آپ کا انتقال ہو گیا ۔ دو فرزند اپنی یادگار چھوڑے ۔ ایک سید محمد سعید جان المعروف بہ آغا جان صاحب اور دوسرے سید تجمل حسین[۱] صاحب المعروف بہ آغا گل ۔

آغا سید سعید جان

آپ سید سکندر شاہ صاحب کے سب سے بڑے فرزند تھے ۱۸۷۱ء

[۱] ۔ سید تجمل حسین صاحب مرحوم کے حالات زندگی اس کتاب کے صفحہ ۱۲۵ پر زیر عنوان احاطہ شاہ محمد غوثؒ کے اصحاب قبور درج کیے جا چکے ہیں ۔

میں بمقام پشاور پیدا ہوئے آپ کا لقب آغا جان تھا ۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی ۔ کچھ عرصے کے بعد والد گرامی نے پشاور کے نامور علما کو آپ کی تعلیم پر مامور فرمایا ۔ آپ کے اساتذہ میں مشہور عالم حدیث مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے جن سے آپ نے حدیث پڑھی ، علم ادب بھی انہیں سے حاصل کیا آپ کو فن خطاطی میں بھی مہارت حاصل تھی اور تین قسم کے طرز تحریر کے ماہر تھے ۔ نہایت خوبصورت نفاست پسند اور جامہ زیب انسان تھے اپنے والد آغا سید سکندر صاحب سے بیعت تھے اور ان کے انتقال کے بعد مسند نشین خلافت ہوئے ۔ نہایت مہمان نواز اور غربا پرور بزرگ تھے ۔ امرا اور مساکین دونوں سے یکساں سلوک کرتے تھے ۔ ۷ رمضان ۱۹۲۵ء کو آپ کا انتقال ہو گیا ۔ مزار پشاور میں ہے ۔ آپ نے دو شادیاں کیں ۔ پہلی شادی آغا سید سعید احمد شاہ صاحب کی دختر سے ہوئی جن کے بطن سے ایک فرزند پیدا ہوا ۔ ان کا نام نامی سید شریف حسین صاحب تھا ۔ دوسری شادی غلام صمدانی صاحب ٹھیکیدار کی دختر سے ہوئی ، ان کے بطن سے دو بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں ۔ بڑے بیٹے کا نام سید حسن سعید صاحب اور چھوٹے فرزند کا نام سید علی سعید صاحب ہے ۔

آقا سید شریف حسین شاکرؔ

آپ سید سعید جان صاحب کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ ۱۳۳۰ھ میں بمقام پشاور پیدا ہوئے۔ چار برس کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا اور حافظ سید ولایت شاہ نے آپ کو قرآن پڑھانا شروع کیا۔ اردو اور فارسی کی تعلیم بھی حافظ صاحب ہی نے دی۔ اس کے بعد ہائی سکول میں داخل کر دیا گیا۔ ایف اے تک انگریزی پڑھی۔ عربی کی تعلیم مولانا سید محمد ایوب صاحب صدر المدرسین دار العلوم رفیع الاسلام سے حاصل کی۔ اس کے بعد تعلیم و تدریس کا شغل اختیار کیا اور مشن ہائی اسکول پشاور اور خالصہ ہائی اسکول پشاور میں معلم فارسی کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۳۵ء میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا اور چند یوم کے لیے آقا تجمل حسین صاحب سجادہ نشین مقرر ہوئے مگر ان پر جذب کی حالت طاری رہتی تھی اس لیے آقا سید شریف حسین صاحب کو سجادہ نشین بنایا گیا۔ اس مقصد کے لیے ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں عمائد شہر کے علاوہ پنجاب کے سابق گورنر سردار عبد الرب نشتر مرحوم بھی شریک ہوئے۔ آقا صاحب نہایت شریف النفس بہت خوبصورت اور نہایت خوش اخلاق انسان تھے۔ صوم و صلوٰۃ کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ آپ میں فیاضی کا جوہر بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا۔ اولیا اللہ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ آپ نے مزارات

کی زیارت کے لیے متعدد سفر کئے اور کابل، بغداد، نجف اشرف، دہلی اور اجمیر شریف جا کر بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری دی۔ آپ کی شخصیت نہایت پر کشش تھی۔ سرحد کے علاوہ لاہور، قصور اور چونیاں میں ہزاروں افراد آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلۂ قادریہ میں داخل ہوئے آقا صاحب شاعر بھی تھے اور شاکرؔ تخلص کرتے تھے۔ مولانا بیخودؔ دہلوی شاگرد داغؔ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ کلام میں بے ساختگی ہے۔ سوز و گداز اور زبان کی چاشنی سے بھی آپ کا کلام مملو ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں۔

یہ انتظار کی راتیں، یہ گریۂ سحری
کسی کی راہ میں موتی لٹا رہا ہوں میں

نوکِ ہر خار پہ ہیں خون کے قطرے لرزاں
دشت شاہد ہے مری بادیہ پیمائی کا

میں اور ترکِ محبت کر لوں ناممکن
عشق رچا ہے میری رگ رگ نس نس میں

کسی سے ہو نہ سکے حل میں وہ معمہ ہوں
کسی سے بن نہ سکے مٹ کے وہ نگاہوں میں

مجھے ہے فخرِ تلمذ جناب بیخودؔ سے
اسی پہ ملکِ تغزل کا تاجدار ہوں میں

۶ شوال ۱۳۷۹ھ مطابق ۴ اپریل ۱۹۶۰ء کو بہ عارضۂ قلب آپ کا انتقال ہو گیا۔ مزار پشاور میں ہے۔

سید عابد محی الدین فوزی الگیلانی

آپ آغا سید شریف حسین صاحب کے فرزند ہیں۔ ان کی وفات کے بعد سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ ابھی خوردسال ہیں اور تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ کو دینی اور طریقت کی تعلیم بھی دی جا رہی ہے۔ بچپن ہی میں نہایت مہذب، شائستہ اور خوش گفتار ہیں۔

لہ یہ حالات تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ص۲۶۷ تا ۲۷۰ سے ماخوذ ہیں۔